بسلسلہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم

خطباتِ مدراس

سیرتِ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے

تالیف

حضرتِ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

مجاز بیعت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(ناشر)

عماد پبلی کیشنز

خطبات مدراس

(سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے)

از

علامہ سید سلیمان ندویؒ

پبلشر

عماد پبلی کیشنز

۲، ۸، گلی مدرسہ والی، چوڑی والان، دہلی ۶

خطباتِ مدراس

(سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے)

۳

سن اشاعت

جمادی الاوّل ۱۴۰۷ھ جنوری ۱۹۸۷ء

مطبوعہ

سیما آفسیٹ پریس گلی مدرسے والی، چوڑیوالان - دہلی ۱۱۰۰۰۶

پبلشر

عماد پبلی کیشنز 872 گلی مدرسے والی، چوڑیوالان، دہلی ۱۱۰۰۰۶

بدل اشتراک

بارہ روپے

دہلی ڈسٹری بیوٹر

مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

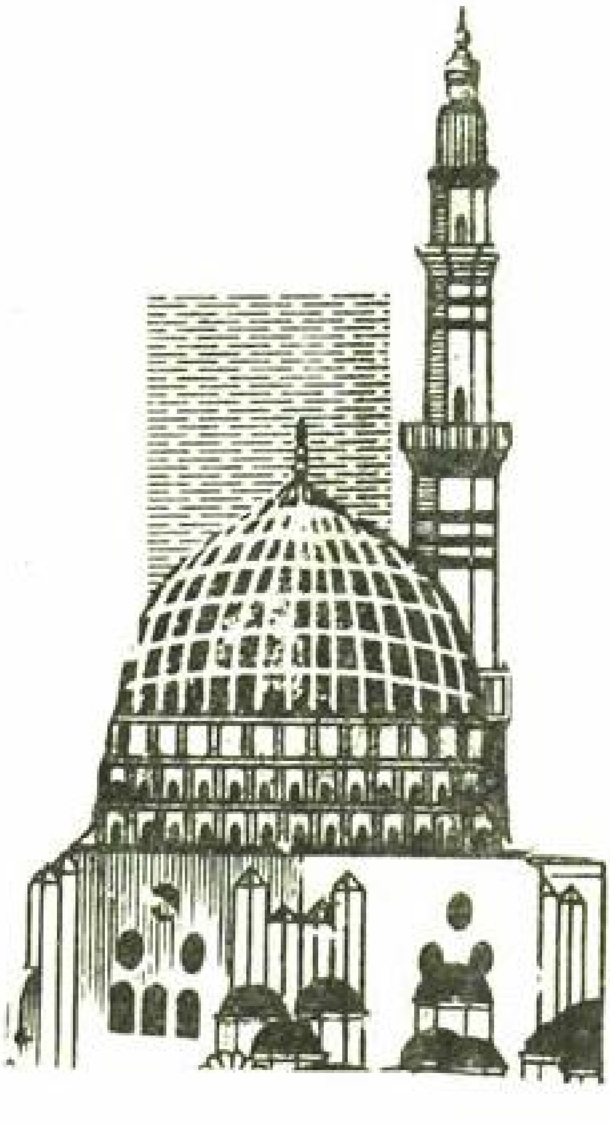
ملنے کے پتے

عماد پبلی کیشنز 872 گلی مدرسے والی، چوڑیوان، دہلی ۱۱۰۰۰۶

مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

فہرست خطبات


لا اله الا الله محمد رسول الله



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

(بار اوّل)

آئندہ صفحات میں سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر چند خطبات (لکچرز) ہیں جو جنوبی ہند کی "اسلامی تعلیمی انجمن" کی فرمائش پر اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں دیئے گئے تھے۔ مدراس میں کچھ برسوں سے ایک امریکن عیسائی کی فیاضی سے مدراس یونیورسٹی کے طلبا کے سامنے کوئی نہ کوئی ممتاز عیسائی فاضل حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و سوانح اور مسیحی مذہب کے متعلق چند عالمانہ خطبے دیتا ہے۔ یہ خطبے سال بسال ہوتے ہیں اور نہایت دلچسپی سے سُنے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر مدراس کے چند مخلص تعلیمی کارفرما مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال آیا کہ یہاں کے انگریزی مدارس کے مسلمان طالب علموں کے لئے بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی قسم کی کوشش کی جائے۔ یعنی سال بسال کسی مسلمان فاضل کی خدمات حاصل کی جائیں جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر طلباء کے انگریزی کے ذوق اور موجودہ رنگ کے مطابق خطبات دے سکے۔

خوش قسمتی سے اس کام کے مالی پہلو کی کفالت کے لئے مدراس میں ایک ایسی ہستی مل گئی جس نے ہر طرح اس کی ضمانت کرلی۔ یہ سیٹھ ایم جمال محمد صاحب کی ذات تھی جن کی فیاضی سے مدراس کی متعدد تعلیمی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں۔ اُمید ہے کہ موصوف کا اسلامی درد اس سلسلہ کو تادیر قائم رکھنے کی تدبیر میں آئندہ بھی مصروف رہے گا اور "خطباتِ اسلامیہ مدراس" کا یہ سلسلہ یورپ کے مشہور خطبات کے سلسلوں

کی طرح بہت مفید اور شہرت پذیر ہوگا۔

یہ میری سعادت ہے کہ اس اہم اور مقدس کام کے لئے سب سے پہلے میری حقیر ذات کا انتخاب عمل میں آیا اور اس طرح مجھے موقع ملا کہ میں اس عظیم الشان سلسلہ کی پہلی کڑی بن سکوں۔ یہ خطبے مدراس کے "لالی ہال" میں مغرب کے بعد ہر ہفتہ اور بعض ہفتہ میں دو دفعہ دیئے گئے اور اس طرح یہ آٹھ خطبے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتہ سے شروع ہو کر نومبر ۱۹۲۵ء کے اخیر ہفتہ میں ختم ہوئے۔ سیٹھ حمید حسن صاحب ناظمِ مجلس کا شکر گزار ہوں کہ ان خطبات کے لئے ہر قسم کا اہتمام، اعلان اور اُن کے انگریزی ترجمہ کا کام انہوں نے انجام دیا۔ مدراس کی مسلمان پبلک کا ممنون ہوں کہ اس خشک بیان کو جو کبھی دو دو اور تین تین گھنٹے تک جاری رہا، انہوں نے صبر و تحمل سے سنا اور اس کی قدر کی۔ غیر مسلم اصحاب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے باوجود اُردو آسانی سے نہ سمجھ سکنے کے حقیقت کی جستجو کے لئے ان جلسوں میں شرکت کی۔

مدراس کے اُردو اور انگریزی اخبارات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر ہفتہ ان خطبوں کا خلاصہ اپنے کالموں میں شائع کیا۔ اخبار "ہندو" اور "ڈیلی ایکسپریس" مدراس خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے فیاضی کے ساتھ اپنے کالم ان خطبات کی انگریزی تلخیص کی اشاعت کے لئے وقف کئے۔

آخر میں ان خطبات کو اوراق کی شکل میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے درگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوں کہ وہ اس عقیدت کے نذرانہ کو قبول فرمائے اور اخلاص و توفیق کی نعمت سے ان کے محرر کو مالا مال کرے۔

اُمیدوارِ رحمت

سید سلیمان ندوی

دیسنہ، بہار دسمبر ۱۹۲۵ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

(طبع سوم)

خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ ان خطبات کو جو سرسری طور پر لکھے گئے تھے حد سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں وہ یکساں ذوق وشوق کے ہاتھوں سے لئے گئے اور عقیدت کی آنکھوں سے پڑھے گئے۔ مدرسوں میں، اسکولوں میں، مجلسوں میں ہر جگہ وہ پڑھے جاتے ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ یہ جو کچھ ہے وہ خداوند تعالےٰ کا فضل وکرم ہے۔

اس کتاب کے بعض بعض خطبوں میں سیرتِ محمدیؐ کا دوسرے انبیاء کرام علیہم السّلام کی سیرتوں سے مقابلہ وموازنہ ہے۔ گو وہ تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ کے اصول سے صحیح بھی ہوں تاہم ان موقعوں پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر ہیں اور وہ ان انبیاءؑ کی اُن سیرتوں کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے جو اُن کے ماننے والے مانتے اور اُن کی طرف منسوب آسمانی صحیفوں میں مذکور ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہر نبی اسلام کی نگاہ میں کامل وبے عیب اور معصوم تھا اور ان میں سے ہر ایک کی اصلی سیرتیں حسبِ استعداد واختلافِ زمانہ باہم گو کسی قدر مختلف ہوں تاہم وہ ہر اعتراض سے بری اور ہر خردہ گیری سے بالاتر ہیں۔

یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں میری غیر حاضری میں جب میں حجاز میں تھا، میرے کٹے پھٹے مسودے سے چھپے تھے۔ دوسری دفعہ بھی یہی ہوا۔ اب اس تیسرے ایڈیشن میں

موقع ملا کہ اس پر نظر ثانی کی جا سکے۔

اس پر بھی یہ دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک عاجز بندے کی ہر جنبشِ قلم ہر اعتراض اور حرف گیری سے پاک ہو سکتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَانَا۔

خاکسار

سیّد سلیمان ندوی

۲۷ر شعبان ۱۳۵۵ھ

۱۴ر نومبر ۱۹۳۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

حضرات! آج پندرہ برس کے بعد مجھے موقع ملا ہے کہ میں آپ کی تعلیمی انجمن "مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف سدرن انڈیا" کی طلب پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہاں آکر آپ کے سامنے سیرتِ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر خطبے دوں۔ یہ آٹھ خطبے ہوں گے جو مختلف آٹھ صحبتوں میں آپ کے سامنے پیش ہوں گے۔ ان کی ترتیب یہ ہوگی :۔

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔

۲۔ عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے۔

۳۔ سیرۃِ نبویؐ کا تاریخی پہلو۔

۴۔ سیرتِ نبویؐ کی کاملیت۔

۵۔ سیرتِ نبویؐ کی جامعیت۔

۶۔ سیرتِ نبویؐ کی عملیت۔

۷۔ اسلام کے پیغمبر کا پیغام۔

۸۔ ایمان اور عمل۔

مدراس نے اپنے نوجوان فرزندوں کو ایک "سلسلۂ خطباتِ اسلامیہ" کے ذریعہ مذہب سے واقف کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ یقیناً ہندوستان کے صوبوں میں ہماری اسلامی تعلیمی انجمنوں کا اس راہ میں پہلا قدم ہے۔ مدراس کی سرزمین پورے ہندوستان میں سب سے پہلا صوبہ ہے، جہاں اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے آکر چمکیں اور یہ اس وقت ہوا جب ہندوستان کے کسی گوشہ میں بھی اسلام کے کسی سپاہی کا قدم نہ پڑا تھا معجزۂ شق القمر

کے چاند کی روشنی تھی، جو بحرِ عرب سے گزر کر بحرِ ہند کے اس ساحل تک پہنچی اور دلوں کو روشن کر گئی"۔ تحفۃ المجاہدین" کی یہ روایت اگر صحیح ہے جس کی تائید ہمارے ایک نومسلم دوست ڈاکٹر غلام محمد کے بیان سے ہوتی ہے کہ انہوں نے خود مدراس میں اگرہندوؤں کی ایک قلمی سنسکرت کتاب میں بھی اس واقعہ کو بعینہٖ درج پایا ہے اور جس کو انہوں نے چھپوا دیا ہے۔ تو ہمیں اس حالت میں مدراس کی ایک اسلامی تعلیمی انجمن کی اس قابلِ رشک سبقت پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ مدراس کو اسلام کی خدمات میں پہل کرنے کا تاریخی حق آج سے نہیں بلکہ تیرہ سو برس پہلے سے پہنچتا ہے۔ اُمید ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی تعلیمی انجمنیں بھی اس کی تقلید کریں گی۔

حضرات! میں اس وقت آپ کے سامنے اُردو میں تقریر کر رہا ہوں۔ گو اُردو زبان نے ہندوستان میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ مُلک کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لئے مناسب یہ تھا کہ یہ لیکچرز انگریزی میں ہوتے تاکہ اُن کے فائدہ کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا اور وہ بھی اُس میں شریک ہو سکتے اور دلچسپی لے سکتے جو اُردو بالکل نہیں سمجھتے یا پوری طرح نہیں سمجھتے۔ اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ علماء پر آج انگریزی کا جاننا بھی فرض ہو گیا ہے۔ خدا کرے وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کا پیغام خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دُنیا کو پہنچا سکیں۔

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل

صرف انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی سیرتوں سے ہی ہو سکتی ہے

دُنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگا رنگ عجائبات سے معمور ہے۔ قسم قسم کی مخلوقات ہیں، ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفتیں اور خاصیتیں ہیں۔ جمادات سے لے کر انسان تک اگر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساس، اوراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرّات (ایٹمز) یا پتھر ہر قسم کے احساس، اوراک اور ارادہ سے خالی ہے۔ جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے۔ نباتات میں احساس کی ایک غیر ارادی کیفیت نشو و نما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔ حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے۔ انسان میں احساس، اوراک اور ارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یہی احساس ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمّہ داریوں کا اصلی سبب ہے۔ مخلوق کی جس صنف میں جس حد تک یہ چیزیں کم ہیں اسی حد تک وہ ارادی فرائض کی ذمّہ داریوں سے آزاد ہے۔ جمادات سرے سے ہر قسم کے فرائض سے محروم ہیں۔ نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔ حیوانات میں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں۔ انسان کو دیکھئے تو وہ فرائض کی پابندیوں سے سراسر جکڑا ہوا ہے۔ پھر انسان کے مختلف افراد پر نظر ڈالئے تو مجنوں،

پاگل، بے وقوف بچے، ایک طرف اور عاقل، بالغ، دانا، ہشیار عالم دوسری طرف، اسی احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی وبیشی کے لحاظ سے اپنے فرائض کچھ نہیں رکھتے یا کم رکھتے ہیں یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے کہ جس مخلوق میں احساس، ادراک اور ارادہ کی جتنی کمی ہے اتنی ہی فطرت اور قدرتِ الٰہی اس کی پرورش اور نشو ونما کے فرائض کا بار خود اپنے اُوپر اُٹھاتے ہے اور جیسے جیسے مخلوقات آنکھیں کھولتی جاتی ہے۔ فطرت اس بار کو اُس کے احساس و ادراک و ارادہ کے مطابق ہر صنف مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے۔ پہاڑوں کے لعل و گہر کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمندر کی مچھلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی غور و پرداخت کا فرض کون انجام دیتا ہے؟ حیوانات کی بیماری اور گرمی سردی کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ یہاں تک کہ سرد یا گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی، جنگلی اور صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کی نوعِ حیوان ہونے کے آب و ہوا کی مختلف ضروریات کی بناء پر آپ ان کی ظاہری حالتوں میں صریح فرق پائیں گے۔ یورپ کے کتے اور افریقہ کے کُتے کی ضرورتوں میں موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلاف ہے اس کا سامان بھی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے اور اسی لئے مختلف آب و ہوا اور موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پنجہ، بال، رُوئیں، کھال کے رنگ اور اَور چیزوں میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ تو حصولِ منفعت کی صورتیں اور شکلیں تھیں، جن سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جہاں جس حد تک احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی ہے۔ فطرت اور قدرت خود اس کمی کی کفالت کرلیتی ہے اور جیسے جیسے مخلوقاتِ الٰہی درجہ بدرجہ بلوغ کے مرتبہ کو پہنچتی جاتی ہے۔ فطرت منافع کی صورتیں خود اُن کے قویٰ کے سپرد کرکے علٰحدہ ہوتی جاتی ہے۔ انسان کو اپنی روزی کا سامان آپ کرنا پڑتا ہے۔ وہ کاشت کاری اور درختوں کے لگانے اور میووں کے پیدا کرنے کی محنت اُٹھاتا ہے۔ سردی گرمی سے بچنے کے لئے اس کو فطری کھال، رُوئیں اور اُون نہیں دیئے گئے۔ اُس کا سامان

مختلف لباسوں کی شکل میں اس کو خود کرنا ہوتا ہے۔ بیماریوں اور زخموں کو دُور کرنے کے لئے اُس کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے۔

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں جس حد تک احساس اور ارادہ کا ضُعف ہے، دشمنوں سے بچاؤ اور زندگی کی حفاظت کا سامان فطرت نے خود اپنے ذمّہ لے لیا ہے، مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کے لئے مختلف ذریعے دیئے گئے ہیں۔ کسی کو تیز پنجے، کسی کو نکیلے دانت، کسی کو سینگ، کسی کو اُڑنا، کسی کو تیرنا، کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو ڈنک، کسی کو دانتوں کا زہر۔ غرض مختلف آلات و اسلحہ سے خود فطرت نے ان کو مسلح کر دیا ہے۔ مگر غریب انسان کو دیکھو کہ اُس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے نہ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت اور سُونڈ ہیں۔ نہ شیروں کے نکیلے دانت اور پنجے ہیں۔ نہ بیلوں کے سے سینگ اور نہ کتوں اور سانپوں کا زہر، نہ بچھوؤں اور بھڑوں کے ڈنک۔ غرض ظاہری حیثیت سے وہ ہر طرح نہتّہ اور غیر مسلّح بنا دیا گیا ہے۔ مگر ان سب کی جگہ اس کو احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی زبردست قوتیں دی گئی ہیں، اور یہی معنوی قوتیں اُس کی ہر قسم کی ظاہری کمزوریوں کی تلافی کرتی ہیں۔ وہ اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے دانتوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے تیز پنجے اور بڑے جبڑے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے۔ خوفناک زہریلے سانپوں کو پکڑ لیتا ہے۔ ہَوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ پانی کے جانوروں کو پھنسا لیتا ہے۔ اور اپنے بچاؤ کے لئے سینکڑوں قسم کے ہتھیار، اسلحہ اور سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو تم کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمہاری انسانی ذمّہ داریوں کا اصلی سبب تمہارے احساس، ادراک، تعقل اور ارادے کی قوتیں ہیں۔ اسلام میں ان ذمّہ داریوں کا شرعی نام "تکلیف" ہے۔ یہ تکلیف خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قویٰ کے مطابق تم پر عائد ہے۔ اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ، (بقرہ ع ۴۰)

خُدا کسی نفس کو "تکلیف" نہیں دیتا لیکن اس کی وسعت کے مطابق۔

یہی "تکلیف" کی ذمہ داری اور فرض ہے جو دوسری جگہ "امانت" کے لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے۔ یہ امانت کا بار جمادات، نباتات، حیوانات، بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن ان میں سے کوئی اس کو اٹھا نہ سکا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔
(احزاب: ۹)

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے (فطری عدم صلاحیت کی بنا پر زبانِ حال سے) اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے۔ پھر انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور نادان تھا۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

ظالم و نادان دیوانۂ عشق کی دوسری تعبیر ہے۔ ظالم یعنی اپنی حد سے آگے بڑھ جانے والا۔ یہ صفت انسان کی عملی قوت کی بے اعتدالی کا اور "جاہل و نادان" ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے۔ "ظلوم" کا مقابل "عادل" اور "جہول" کا مقابل "عالم" ہے۔ عدل اور علم جو بالفعل انسان کو حاصل نہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے اس کی عملی قوت میں عدل یعنی میانہ روی اور اعتدال اور ذہنی قوت میں "علم" اور معرفت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام "عملِ صالح" اور علم کا دوسرا نام "ایمان" ہے۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
(العصر)

زمانہ کی قسم! بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

یہ نقصان اور گھاٹا، وہی ظلمِ عملی اور جہلِ علمی ہے اور اس کا علاج "ایمان" یعنی علمِ صحیح اور "عدل" یعنی عملِ صالح ہے۔ اس واقعہ کی شہادت میں کہ انسانیت اس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے، جب تک اس کو ایمان اور عملِ صالح کی توفیق نہ ملے اللہ تعالے نے زمانہ کو پیش کیا ہے۔ زمانہ سے مقصود وہ واقعات،

حوادث اور آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دُنیا میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ کارلائل کے مشہور فقرہ کے مطابق کہ "تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانح عمریوں کے سلسلہ کا نام ہے"۔ زمانہ کی تاریخ خود اس بات پر گواہ ہے کہ دُنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہمیشہ گھاٹے اور ٹوٹے میں رہے ہیں اور برباد و ہلاک ہوئے ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے۔

دُنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں، تمام اخلاقی قصے اور انسانوں کے بننے اور بگڑنے کی تمام حکایتیں، ظلم وجہل اور ایمان وعملِ صالح کی دو رنگیوں سے معمور ہیں۔ ایک طرف ظلم، جہل، شر، تاریکی۔ دوسری طرف عدل، عملِ صالح، خیر اور نور کی حکایتیں داستانیں اور تاریخیں ہیں، اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا، ان کی تعریف اور جنہوں نے ان سے انکار کیا اُن کی بُرائی کے بیانات ہیں۔ یونانی الیڈ، رومی پیرلل لائوز، ایرانی شاہنامہ، ہندی مہا بھارت اور رامائن اور گیتا کیا ہیں؟ ہر قوم کے سامنے اُس کے بڑے بڑے اشخاص اور اکابر رجال کی زندگیوں سے علم وجہل، ظلم و عدل، خیر وشر اور ایمان وکفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں۔ تاکہ ہر قوم ظلم، شر اور کفر کے بُرے نتیجوں سے بچ کر عدل، خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اُٹھائے۔

توراتؔ، انجیلؔ، زبورؔ اور قرآنِ پاک کے بیشتر مضامین کیا ہیں؟ ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل، نیک اور مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظیریں ہیں، تاکہ ان کو سُن کر ظالم عادل بنیں، شریر نیک ہوں اور کافر مومن بن جائیں۔ اسی لئے خاتم النبیین علیہ السّلام سے پہلے ہر زمانے میں اور ہر مُلک میں خدا تعالےٰ کے پیغمبر اور فرستادے آئے کہ وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونہ کے طور پر پیش کریں۔ تاکہ اُن کی پوری قوم یا اُس کے نیک افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو "رحمتِ عالمؐ" بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ تمام عالم کے لئے دُنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ

کے لئے چھوڑ جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے قرآن مجید نے یہ اعلان کیا :۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ (یونس) — تو اے قریشیو! میں اس (دعوائے نبوت) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر رہا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

اس آیتِ پاک میں درحقیقت وحی الہٰی نے خود اپنے پیغمبر کی سوانحعمری اور سیرت کو اُس کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

بہرحال تاریخ کی دُنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں، جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں۔ ایک طرف شاہانِ عالم کے باشان وشکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں ایک طرف حکماء اور فلاسفروں کا متین گروہ ہے۔ ایک طرف فاتحینِ عالم کی پُر جلال صفیں ہیں۔ ایک طرف شعراء کی بزمِ رنگیں ہے۔ ایک طرف دولت مندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھنکھناتی تجوریاں ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کارتھیج کا ہنی بال، مقدونیہ کا سکندر، روم کا سیزر، ایران کا دارا، یورپ کا نپولین، ہر ایک کی زندگی کشش رکھتی ہے۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانیس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپنسر تک تمام حکماء اور فلاسفروں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے۔ نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب کی دوسری شخصیتیں ہیں۔ قارون کی ایک الگ زندگی ہے۔

غرض دُنیا کے اسٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں، جو بنی آدم'' کی عملی زندگی کے لئے سامنے ہیں۔ لیکن بتاؤ کہ ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نوعِ انسان کی سعادت، فلاح اور ہدایت کی ضامن اور کفیل اور اس کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار ہیں جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دُنیا کے طبقے اُلٹ دیئے ہیں۔ لیکن کیا انسانیت کی فلاح وہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا۔ کیا اُن کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی اوہام وخیالات فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی؟ انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کرسکی؟ ہماری روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کوئی علاج بتا سکی؟ ہمارے دِلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟

دُنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن خیالی دُنیا کے یہ شہنشاہ عملی دُنیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اسی لئے افلاطون کے مشہور نظامِ حکومت میں اُن کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی۔ ہومر سے لے کر آج تک فوری جوش وہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت والم کی افزائش کے سوا نسلِ انسانی کو اس کی زندگی کے مشکلات دور کرنے کے لئے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے۔ کیونکہ اُن کی شیریں زبانیوں کے پیچھے اُن کے حسنِ عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا۔ اسی لئے قرآنِ پاک نے کہا:۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ -

(شعراء ع - ۱۱)

اور شاعر اُن کی پیروی بھکے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں اور جو کہتے ہیں اس کو کرتے نہیں، لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

قرآنِ پاک نے ان کی شیریں زبانی کے بے اثر ہونے کا فلسفہ بھی بتا دیا کہ وہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ایمان وعملِ صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس دولت سے مالا مال ہوں تو کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں ضرور اثر ہوگا۔ تاہم وہ اصلاح وہدایت کے عظیم الشان فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے۔ دُنیا کی تاریخ خود اس واقعہ پر گواہ ہے۔

حکماء اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقلِ رسا سے نظامِ عالم کے نقشے بدل دیئے ہیں جنہوں نے عجائباتِ عالم کی طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریئے پیش کئے ہیں۔ وہ بھی انسانیت کے نظامِ ہدایت کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے۔ اور نہ فرائضِ انسانی کی طلسم کشائی میں کوئی عملی امداد دے سکے کہ ان کی دقیق نکتہ سنجیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے بھی حسنِ عمل کا کوئی نمونہ نہ تھا۔

ارسطو نے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد ڈالی۔ ہر یونیورسٹی میں اس کے ایتھکس پر بہترین لکچر دیئے جاتے ہیں اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے لیکن سچ بتاؤ اس کو پڑھ کر یا سُن کر نوعِ انسانی کے کتنے افراد راہِ راست پر آئے۔ آج دُنیا کی ہر یونیورسٹی میں ایتھکس کے بڑے بڑے لائق پروفیسر اور اساتذہ موجود ہیں۔ مگر ان کے علمِ اخلاق کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ اثر ان درس گاہوں کی چہار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا ؟ یا بڑھ سکتا ہے ؟ اس لئے کہ جب ان کمروں سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں تو اُن کی عملی زندگی عام افرادِ انسانی سے ایک انچ بھی بلند نہیں ہوتی اور انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے۔

دُنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے بادشاہ اور حکمران بھی رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے کبھی کبھی چار دانگِ عالم پر حکومت کی ہے۔ قوموں کی جان و مال پر قابض ہوئے ہیں۔ ایک ملک کو اُجاڑا اور دوسرے کو بسایا ہے۔ ایک قوم کو گھٹایا اور دوسری کو بڑھایا ہے۔ ایک سے چھینا اور دُوسرے کو دیا ہے۔ مگر ان کا عام نقشہ وہی رہا جس کو قرآن پاک نے ایک آیت میں ملکۂ سبا کی زبان سے ادا کیا ہے :-

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۔	بے شک بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو بگاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں ۔

(سبا ۔ ع ۳)

ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور مجمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا۔ لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکی۔ اُنہوں نے

بازاروں اور راستوں میں امن وامان قائم کیا۔ لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن وامان قائم نہ کر سکے۔ انہوں نے مُلک کا نظم ونسق درست کیا۔ لیکن روحوں کی مملکت کا نظم ونسق ان سے درست نہ ہو سکا۔ بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہی کے درباروں سے نکل کر ہر جگہ پھیلتی رہی۔ کیا سکندر اور سیزر جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی ہمارے لئے کچھ چھوڑ گئے؟

بڑے بڑے مقنن سولن سے لے کر اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے قانون کی عمر نے بقا کی دولت نہ پائی اور اُس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی کا راز نہ ملا۔ دُوسرے دَور کے حاکموں اور عدالتوں نے خود اس کو حرفِ غلط سمجھ کر مٹا دیا اور اپنی مرضی اور اپنی مصلحتوں کے مطابق، نہ کہ انسانوں کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنا لیا اور آج بھی یہی حالت قائم ہے۔ آج اس مہذب دورِ حکومت میں بھی یہی صُورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلسیں بنائی گئی ہیں جو اپنے ہر اجلاس میں آج جو بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں اور یہ سب کچھ انسانوں کی خاطر نہیں، بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنفِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں سے جن سے انسانوں کی بھلائی اور سدھار کی توقعات ہو سکتی ہیں، ہر ایک کا جائزہ لے لیا۔ غور سے دیکھو! اس وقت دُنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی اور اچھائی کا نُور ہے۔ جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اُجالا ہے، کیا وہ صرف ان ہی بزرگوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے جن کو تم انبیائے کرامؑ کے نام سے جانتے ہو؟ پہاڑوں کے غار، جنگلوں کے جھنڈ، شہروں کی آبادیاں۔ غرض جہاں بھی رحم، انصاف، غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق :-

اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرًا (ملائکہ)	کوئی قوم نہیں جس میں (کوئی انسانوں کو) ہُشیار کرنے والا نہ گزرا۔
وَلِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ (رعد)	اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔

آج ہر قدم اور ہر مُلک میں ان ہی کی برکتوں کا اُجالا نظر آتا ہے اور ہر طرف ان ہی کی پکاروں کی آواز بازگشت سُنائی دیتی ہے۔ افریقہ کے وحشی ہوں یا یورپ کے مہذب، سب کے دلوں کی صفائی ان ہی کے سرچشموں سے ہوتی ہے اور ہو رہی ہے اوپر جتنے بلند پایہ اور عالی رُتبہ انسانی طبقوں کے نام آئے ہیں، ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلےٰ وہ طبقہ ہے جو بادشاہوں کی طرح جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ اس کی حکمرانی کی زمین، دُنیا کی مملکت نہیں بلکہ دلوں کی مملکت ہے جو گو سپہ سالاروں کی طرح تیغ بکف نہیں، تاہم وہ گناہوں کے پرے اور آلودگیوں کی صفیں دَم کے دَم میں اُلٹ دیتا ہے۔ وہ گو خیالی شاعر نہیں، لیکن اس کی شیریں بیانیوں کے ذائقہ سے اب تک انسانوں کے کام و دہن لُطف اُٹھا رہے ہیں۔ وہ گو ظاہری طور پر قانون ساز اور مجلسوں کے سینیٹر نہ تھے۔ لیکن صدہا اور ہزارہا سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ ہے، جو خود حاکموں اور عدالتوں پر حکمراں ہے اور بلا تفریق شاہ و گدا اور بادشاہ و رعایا سب پر یکساں جاری ہے۔

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں، بلکہ علمی تاریخ کا سوال ہے کہ آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ پاٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف پتھر کی لاٹوں پر کندہ ہیں۔ مگر بدھ کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے۔ اجین، ہستنا پور (دہلی) اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں۔ لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک نافذ اور جاری ہے۔ بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی کے قانونی دفعات، مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود ہے۔ فرعون کی ندائے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کے دن قائم رہی؟ مگر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے۔ سولن کے بنائے ہوئے قانون کتنے دن چل سکے؟ مگر تورات کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کی ترازو ہے۔ وہ رومن لا جس نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو عدالت میں گنہگار ٹھہرایا تھا۔ صدیاں گزریں کہ معدوم ہو چکا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و ہدایت

آج بھی گناہ گاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے۔ مکّہ کے ابوجہل، ایران کے کسریٰ، اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں۔ مگر شہنشاہِ مدینہؐ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مسلّم ہے۔

دوستو! میرے گزشتہ بیانات نے اگر تمہارے دلوں میں تشفّی کا کوئی اثر پیدا کیا ہے، تو صرف اپنے عقیدے سے نہیں، بلکہ عقلی استدلال اور دُنیا کی عملی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہوگیا ہوگا کہ بنی نوعِ انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقۂ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے جو خدا کے فرستادہ ہوکر اس دُنیا میں آئے اور دُنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے لئے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب، جاہل اور عالم سب برابر کا فیض پا رہے ہیں:۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ
عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن
نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ
وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ
كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن
قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ
وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ
مِّنَ الصَّالِحِينَ ۙ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ
وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر (اپنی حجت پیش کرنے کے لئے) یہ دلیل عنایت کی، ہم جس کو چاہتے ہیں بدرجہا بلند کر دیتے ہیں، بے شک تیرا پروردگار حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اُن (ابراہیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے، ہر ایک کو (ان میں سے) ہدایت بخشی اور ہم نے (ابراہیمؑ سے) پہلے نوحؑ کو ہدایت دی اور ان (ابراہیمؑ) کی نسل سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسفؑ اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہدایت دی)

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ

(الانعام: ۱۰۰)

ہر ایک (اُن) میں کا ما صالح لوگوں میں تھا اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو ہدایت دی) اور ان میں سے ہر ایک کو دنیا (میں اُسکے زمانہ کے لوگوں) پر فضیلت بخشی اور ان کے بزرگوں اور اُن کی اولادوں اور اُن کے بھائیوں میں سے ان کو چُنا اور ان کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی، یہی خدا کی ہدایت ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔ اگر وہ شرک کرتے تو اُن کے سارے کام برباد ہو جاتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب، قوتِ فیصلہ اور پیغمبری عنایت کی، تو اگر یہ لوگ (جو اُن کے نام لیوا آج موجود ہیں) ان نعمتوں کی ناشکری کریں تو ہم نے ان نعمتوں کو ایسے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے سپرد کر دیا جو اُن کی ناقدری نہیں کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تو بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کر۔"

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے اصنافِ انسانی میں سے ایک خاص طبقہ کے بیشتر افراد کے نام بتلائے گئے ہیں جن کی پیروی اور تقلید ہماری روحانی بیماریوں کا علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا درماں ہے۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جو خدا تعالے کی بسائی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسان کے سرمایہ میں فلاح، سعادت اخلاق، نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے جو کچھ اثرات و نتائج ہیں، وہ سب ان ہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں، وہ جگہ جگہ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گئے اور

دُنیا کم و بیش انہی پر چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈ رہی ہے۔

نوحؑ کا جوشِ تبلیغ، ابراہیمؑ کا ولولۂ توحید، اسحاقؑ کی وراثتِ پدری، اسمٰعیلؑ کا ایثار، موسیٰؑ کی سعی و کوشش، ہارونؑ کی رفاقتِ حق، یعقوبؑ کی تسلیم، داؤدؑ کا غربتِ حق پر ماتم، سلیمانؑ کا سرودِ حکمت، زکریاؑ کی عبادت، یحییٰؑ کی عفت، عیسیٰؑ کا زہد، یونسؑ کا اعترافِ قصور، لوطؑ کی جانفشانی، ایوبؑ کا صبر، یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دُنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں کہیں ان صفاتِ عالیہ کا وجود ہے وہ انہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت، صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقاتِ انسانی کا حصہ ہے۔ ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں۔ حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر کئے۔ طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔ مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا۔ صناعوں نے ہنر اور فن پیدا کئے۔ ان سب کی کوششوں سے مل کر یہ دُنیا تکمیل کو پہنچی۔ اس لئے ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں جنہوں نے ہماری اندرونی دُنیا کو آباد کیا۔ جنہوں نے ہماری حرص و ہویٰ کی اندرونی چالیں درست کیں۔ ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔ ہمارے جذبات، ہمارے احساسات اور ہمارے ارادوں کے نقشے درست کئے۔ ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و تنزل کا فن ترتیب دیا۔ جس سے دُنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی، اخلاق و سیرتِ انسانیت کا جوہر قرار پایا۔ نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے۔ خدا و بندہ کا رشتہ باہم مضبوط ہوا اور روزِ الست کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا۔ اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دُنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی؟ اس لئے اس برگزیدہ اور پاک طبقۂ انسانی کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لئے ہر فردِ انسانی پر خواہ وہ کسی صنعت سے تعلق رکھتا ہو ان کی شکر گزاری

کا اظہار واجب ہے۔ اسی کا نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ وسلام ہے، جو ہمیشہ ہی انبیائے کرام کے نامِ نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْھِمْ وَسَلِّمْ۔

حضرات! یہ نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گذر گئے۔ اس عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقاء کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ اس لئے آئندہ آنے والوں انسانوں کے لئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے، وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس اور تصویریں ہیں۔ ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایۂ سعادت کی حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں۔

دُنیا میں پچھلے عہد کے علوم، فنون، خیالات، تحقیقات، واقعات اور حالات کے جاننے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ انسانی زندگیوں کے انہی تحریری اور روایتی عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے۔ ہماری زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحۂ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت و بصیرت ہو لیکن ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل و تزکیہ کے لئے صرف انبیائے کرام اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاریخیں اور سیرتیں ہی کار آمد اور مفید ہو سکتی ہیں۔ اب تک دُنیا نے اُن ہی سے فیض پایا ہے اور آئندہ بھی انہی سے فیض پا سکتی ہے۔ اس لئے دُنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیلِ روحانی کے لئے ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سب سے بڑا اہم فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پا سکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے جو ہماری توجہ، محبت اور عظمت کا مرکز ہو۔ جس جہاز "کرو کدیا" نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۴ء میں حجاز و مصر سے واپس آرہے تھے۔ اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہو رہے تھے۔ ایک رفیقِ سفر نے اُن سے سوال کیا کہ برہمو سماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اُس کے اصول بہت منصفانہ، صلح کل کے تھے۔ اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبوں کے

بانی اچھے اور نیک لوگ تھے۔ اس میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی، وہ موجودہ تمدّن، موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا۔ تاہم اُس نے کامیابی حاصل نہ کی۔ فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ "یہ اس لئے ناکامیاب ہُوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی جو ہماری توجّہ کا مرکز بنتی اور ہماری نیکوکاری کا نمونہ بنتی"۔ اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے نبی کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔

غرض سے ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لئے معصوم انسانوں، بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے باکمال بزرگوں کی ضرورت ہے اور وہ صرف انبیاءِ کرام ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین ⁂

دوسرا خطبہ

عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل

صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے، وہ پیشِ نظر رہے تو سلسلۂ سخن آگے بڑھے۔ میری پچھلی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضرور ہے، جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کئے ہیں، وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے، وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں، اُن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسبِ حال اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوشِ توحید، کسی نے ولولۂ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زُہد۔ غرض ہر ایک نے دُنیا میں انسان کی پرپیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک منار قائم کر دیا ہے جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور راہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنے ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے۔ گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دیدے۔ جس کو لے کر اسی کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزلِ مقصود کا

پتہ پائے۔ یہ راہنما سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے آخری فرد حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن نے کہا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (احزاب ع ۶:)	اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکوں کو) خوشخبری سنانیوالا اور (غافلوں) کو ہشیار کرنیوالا اور خدا کی طرف اُسکے حکم سے پکارنیوالا اور ایک روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپؐ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں۔ نیکوکاروں کو فلاح وسعادت کی بشارت سُنانے والے مبشر ہیں، اُن کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں۔ بھٹکنے والے مُسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دُنیا میں آیا ہے۔ مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیاءؑ تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے۔ جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ وغیرہ، بہت سے تھے، جو نمایاں طور پر مبشر بنے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا۔ جیسے حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعیٔ حق تھے۔ جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراج منیر، سب کچھ بیک وقت تھا اور جس کے مرقعِ حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور یہ اس لئے ہُوا کہ آپؐ دُنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دُوسرا آنے والا نہ تھا۔ آپؐ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی۔ جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اُس کو زندہ رہنا تھا،

اس لئے آپؐ کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ کمال اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا ہے، یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بُنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بُنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔ وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے۔ اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے، جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں۔ ان کی حیثیت قصّوں اور کہانیوں کی نہ ہو۔ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ کسی سلسلۂ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے، یا مشتبہ ہے، تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے، طبعیتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں۔ اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کی تمام اہم اجزا کی تاریخیت پر یقین ہو، یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دُوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرتِ کاملہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے، بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی و تقلید کریں۔ لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابلِ عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرضی اور میتھالوجیکل قصّے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بُنیاد نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے کیا پُر اثر ہونے کے لئے اور کیا قابلِ عمل اور لائق تقلید ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے مِعیار پر پُوری اُترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السّلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور اُن کے

سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن بفحوائے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ "یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔" دوام بقا، ختمِ نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلعم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے۔ وہ دیگر انبیاءؑ کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتمِ نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لئے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دُنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خُدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ مگر آج اُن میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دُنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم اور پُرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے۔ گو وہ مسلم نہیں لیکن بغور دیکھو کہ اُن کے مذہب میں سینکڑوں کیریکٹروں کے نام ہیں۔ مگر اُن میں سے کسی کو "تاریخی" ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتیرے کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں اور میتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں اُن کا گذر بھی نہیں۔ اُن میں بہتر سے بہتر معلوم کیریکٹر وہ ہیں جو مہابھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں۔ مگر اُن کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دَور اور دَور کی کس صدی اور صدی کے کس سال کے واقعہ ہیں۔

اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں اور انہی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالمِ وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پُرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔ مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے۔ یہاں تک کہ

اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکی مزاج امریکی اور یوروپین علماء کو شبہ ہے مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسات سے اُس کے حالاتِ زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں۔ تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد راؤں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان اُن کے بھروسہ پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا۔ زرتشت کی جائے پیدائش، سالِ پیدائش، قومیت خاندان، مذہب، تبلیغِ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سالِ وفات، جائے وفات۔ ان میں سے ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتی۔ بااین ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہِ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یوروپین اور امریکن اسکالرز کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو اُن کے ذاتی ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ عذر بے کار ہے کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا۔ یہاں بہرحال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے۔ خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو دوام اور بقاء کی زندگی نہ ملی اور کرن (KERN) اور ڈارمیٹیٹر (DARMETETER) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیتِ تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان، چین اور تمام ایشیائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور اب بھی برما، سیام چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا اور ایشیائے وسطی میں اسلام نے اُس کا خاتمہ کر دیا۔ مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب، اُس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے اور اُس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے لیکن کیا یہ چیزیں بدھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے

تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بدھ کے زمانہ وجود کی تعین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ اُن کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے۔ جینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک بانیٔ مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے، حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے۔ لیکن نام کے سوا تاریخ نے اُن کا اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم ہیں۔ اب ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو اُن کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا حال ہم کو توراۃ سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر خود وہ توراۃ جو آج موجود ہے اہلِ تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مستفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے صدہا سال کے بعد عالمِ وجود میں آئی ہے۔ اس پر بھی اب جرمن اسکالرز نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ توراۃ میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں اور یہی سبب ہے کہ توراۃ کے سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضادِ بیان سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے آخیر ایڈیشن کے آرٹیکل "بائبل" میں موجود ہے۔ اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر

حضرت موسیٰؑ تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں۔ مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دُنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی انجیل طفولیت، انجیلِ برنا باس وغیرہ نامستند ہیں۔ ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کس سے سُن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے، وہ نسبت صحیح بھی ہے۔ یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں۔ ۶۰ سنہ سے لے کر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرینِ اناجیل ان کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشنلسٹ یہ کہنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود محض فرضی ہے اور ان کی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی و رومی متھالوجی کی محض نقالی ہے کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ شکاگو کے مشہور رسالہ اوپن کورٹ میں مہینوں حضرت عیسیٰؑ کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے۔ اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

کاملیّت

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونۂ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔ کوئی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گُم نہ ہو، بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دُنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہو کہ اُس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعینِ ادیان اور بانیانِ مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار

پر پوری نہیں اُترتی۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہو کر دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السّلام اور مصلحینِ دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جا سکتی ہیں، لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دُنیا کی آبادی کے چوتھائی حصّہ پر قابض ہیں۔ مگر با ایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصّوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر ہم انہی قصّوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی۔ ان قصّوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں نیپال کی ترائی کے کسی مُلک میں ایک راجہ کا لڑکا تھا جس نے فطرتاً سوچنے والی طبیعت پائی تھی۔ جوان ہونے اور ایک بچّہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی۔ اُس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور بنارس، گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اُس نے "گیا" کے ایک درخت کے نیچے انکشافِ حقیقت کا دعویٰ کیا اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا، پھر اس دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہماری معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے۔ مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اُس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اُس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصۂ معلومات یعنی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا[1] کے آرٹیکل زرآسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں:-

"زرتشت کی جس شخصیت سے ہم (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے، وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے، وہ ٹھیک،

---

[1] گیارھواں "۱۱" ایڈیشن۔

متضاد ہے اس دُوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے۔ (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے) تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں، وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں"۔

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانے کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے:-

"اس کی جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں"۔

اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات، نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں مضمون نگار لکھتا ہے:-

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں"۔

بہرحال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی۔ ہشتاسپ بادشاہ نے اُس کے مذہب کو اختیار کیا، کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے۔ اُس نے شادی بیاہ کیا، اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مر گیا۔ کیا ایسی نامعلوم ہستی کے متعلق کوئی کاملیت کا گمان بھی کر سکتا ہے اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لئے چراغِ راہ بن سکتی ہے، یا بنائی جا سکتی ہے؟

انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کئے لیتے ہیں۔ تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں۔ پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے

مصر واپس جاتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ فرعون کے پاس پہنچتے ہیں معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رُخصت چاہتے ہیں۔ رُخصت نہیں ملتی۔ بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں۔ خُدا تعالےٰ کے حکم سے سمندر میں اُن کو راہ مل جاتی ہے۔ فرعون غرق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں۔ کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں، اسی حالت میں جب وہ بُوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر اُن کی وفات ہو جاتی ہے۔ توراۃ استثنا کے اختتامی فقرے میں ہے۔

"سو خداوند کا بندہ مُوسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کے سرزمین میں مرگیا اور اُس نے اُسے مواب کی ایک وادی میں بَیت فغور کے مقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اُس کی قبر کو نہیں جانتا اور مُوسیٰؑ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور اب تک بنی اسرائیل میں مُوسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہُوا۔"

۱۔ یہ توراۃ کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیئے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزا حضرت موسیٰؑ کی تصنیف نہیں۔ لیکن با ایں ہمہ دُنیا حضرت موسیٰؑ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان درسوں کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا، اور اب تک ایسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہُوا" ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسیٰؑ کے یہ تکمیلی اجزا اتنی مُدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول جا سکتے ہیں اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جا سکتی تھی۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس ایک سو بیس برس کی عمر میں طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہم کو حضرت موسیٰؑ کے کیا واقعات معلوم ہوتے ہیں اور ان کے سوانح کے ضروری اجزا ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں؟

پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں۔ پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ایک سو بئیس برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے، ان واقعات کو جانے دیجئے۔ یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں۔ انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگانی کے طور و طریق ہیں اور یہی اجزاء حضرت موسیٰؑ کی پیغمبرانہ سوانحعمری سے گم ہیں، ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال و اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں۔ مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرانولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معرا ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیرووں سے زیادہ ہیں، مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے کہ وہ بابل و اسیریا، عرب و شام، مصر و افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزارہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں، پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظرِ عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق از سرِ نو ترتیب دے رہا ہے۔ مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں۔ پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا مگر حضرت عیسیٰؑ کے واقعات زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے۔

انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی۔ موجودہ انجیلوں کی روایتیں اوّلاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ تاہم قرآن کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں، وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے۔ لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے۔ اس کے بعد وہ

غائب ہو جاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں۔ یہودی اُن کو پکڑوا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سُولی دے دی جاتی ہے۔ تیسرے دن ان کی قبر اُن کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیونکر گزرا؟ دُنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی۔ ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سُولی!

جامعیت

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط "جامعیت" ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السّلام والصّلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اُترتی۔ مذہب کیا چیز ہے؟ خدا اور بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے۔ اس لئے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حقوق اللہ اور حقوقِ عباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو وہ پیغمبرِ اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ بُودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے، اس لئے ان مذہبوں میں تو خدا، اُس کی ذات صفات اور دیگر حقوقِ الٰہی کا پتہ ہی نہیں اور اس لئے اُس کے بانیوں میں محبت الٰہی

خلوص، توحید پرستی وغیرہ کا تلاش ہی بے کار ہے۔ دُوسرے وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے۔ ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں۔ خدا تعالے کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں اور اُن کے کیا اعتقادات تھے اور ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں۔ پُوری توراۃ پڑھ جاؤ، خُدا کی توحید اور اُس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ توراۃ کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰؑ کے تعلقاتِ قلبی اور طاعت وعبادت اور خدا پر توکل ویقین، خُدا کے صفاتِ کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری اُن کے قلبِ اقدس میں کہاں تک تھی حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لئے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اسکے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتے مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی اسلئے ان کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے۔ انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خُدا حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے۔ بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی؟ وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا، وہ اس کے آگے شب وروز میں کبھی جھکتا بھی تھا اور "آج کی روٹی" کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اُس نے کبھی اس سے مانگی؟ گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اُس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دُعا مانگ رہا ہو۔ پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ اگر حضرت عیسیٰؑ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کو نیسؔ میں تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلہ کے لئے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابلِ فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوقِ عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النّبیین صلعم کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السّلام اور بانیانِ مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں۔ بُودھ نے اپنے

تمام اہل وعیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں، بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے؟ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لئے قابلِ تقلید ہو؟ اسی لئے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لئے قابلِ تقلید نہ بنی۔ ورنہ چین، جاپان، سیام، انام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں، صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لئے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست احباب کے متعلق ان کا کیا طرزِ عمل تھا۔ صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا؟ اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا۔ بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ اُن کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اُٹھائیں۔ حضرت موسیٰؑ بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزّہ اور متعلقین رکھتے تھے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرزِ عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہو گا۔ مگر اُن کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لئے قابلِ تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ کی ماں تھیں اور انجیل کے بیان کے مطابق اُن کے بھائی بہن بھی تھے بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا، مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور

رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرزِ عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے۔ حالانکہ دُنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی۔ مذہب کا بڑا حصّہ ان ہی کی متعلقہ ذمّہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علیٰؑ نے محکومی کی زندگی بسر کی۔ اس لئے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے، وہ متاہل نہ تھے اس لئے ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان توراۃ کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت علیٰؑ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دُنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے۔ اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصّۂ آبادی کے لئے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی۔ جس نے گھر بار اہل و عیال، مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو وہ اس دُنیا کے لئے جو انہی تعلقات سے معمور ہے، کیونکر مثال ہو سکتا ہے۔ اگر آج دُنیا یہ زندگی اختیار کر لے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعتہً رُک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہ رہے

عملیّت

"آئیڈیل لائف" کا سب سے آخری معیار "عملیّت" ہے۔ عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو اور خود اس کے عمل نے اُس کی تعلیم کو عملی یعنی قابلِ عمل ثابت کیا ہو۔ خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے۔ لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا وہ عمل ہے۔ انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اور معصوم اقوال خیالات اور اخلاقی و فلسفیانہ نظریئے نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور بُرے کی تمیز اُٹھ جائے اور دُنیا صرف بات بنانے والوں کا مسکن رہ جائے۔ اب مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذاہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے؟

"تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو

تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اُس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے
جو تجھ کو ایک میل بے گار لے جائے تو اُس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے
تو اُس کو کُرتہ بھی دے دے۔ تو اپنے تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دیدے
تُو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولتمند کا داخل ہونا مشکل ہے۔"

یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں۔ مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں۔ جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ عفو کی عملی مثالی کیسے پیش کر سکتا ہے جس کے پاس خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے۔ جو عزیز واقارب، بیوی بچے نہ رکھتا ہو۔ وہ انہی تعلقات سے آباد دُنیا کے لئے مثال کیونکر بن سکتا ہے جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو، وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے، جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غضب ناک اور غصہ ور لوگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور فرمائیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لئے قابلِ اعتراض ہو، مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا۔ عفو، کرم، سخا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لئے جوش، جدوجہد، مجاہدہ، ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلبِ فعل اور عدمِ عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گے۔ نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں۔ زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر اُن کا مدار ہوتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گا کہ جس سیرت کا عملی حصّہ سامنے نہ ہو اس کو "آئیڈل لائف" اور قابلِ تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جا سکتا کہ انسان

اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازدواج و تجرد، تعلقاتِ خداوندی و تعلقاتِ عباد، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیئے۔ دُنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مُشکلات اور تعلقات میں اُلجھا ہُوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قولی نہیں بلکہ عملی۔ لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ محمدیؐ کے سوا کوئی دوسری سیرت پُوری نہیں اُتر سکتی۔

مَیں نے آج جو کچھ کہا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ مَیں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیڈیل لائف اور نمونۂ تقلید بننے کے لئے جو حیاتِ انسانی منتخب کی جائے ضرور ہے کہ اُس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اُن کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو اُن کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں یا جو آج موجود ہیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں اور ایسا ہونا مصلحتِ الٰہی کے مطابق تھا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لئے تھے، اس لئے اُن کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف محمد رسول اللہ صلعم تمام دُنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونۂ عمل اور قابلِ تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے آپؐ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختمِ نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؕ

تیسرا خطبہ

تاریخیت

آئیے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ پر نظر ڈالیں۔ سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے۔ اس باب میں تمام دُنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبریؐ اور نہ صرف اپنے پیغمبرؐ کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اُس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لئے مایۂ حیرت ہے۔ ان لوگوں کو جو آنحضرتؐ کے اقوال، افعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و رواۃ یا محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایۂ روایت، تحریری صُورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام ونشان، تاریخِ زندگی، اخلاق وعادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام اسماء الرجال ہے۔

مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے اور "بنگال ایشیاٹک سوسائٹی" کے سیکرٹری تھے اور اُن کے عہد میں خود اُن کی محنت سے واقدی کی مغازی، وان کریمر کی اڈیٹر شپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابنِ حجر کی اصابہ فی احوال الصحابہ طبع ہوئی اور جنہوں نے (جیسا کہ اُن کا دعویٰ ہے[1] کہ وہ پہلے یوروپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے)

---

[1] ON THE ORIGEN AND PROGRESS OF WRITING DOWN HISTORICAL FACTS AMONG MUSALMANS

"لائف آف محمدؐ" لکھی ہے[1] اور مخالفانہ لکھی ہے۔ وہ بھی اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۲ء، ۱۲۸۳ھ، ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہیں :۔

"کوئی قوم دُنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرّجال کا عظیم الشّان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔"

صحابۂ کرامؓ کی تعداد حیاتِ نبویؐ کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لئے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرتؐ کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصّہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے۔

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے وفات پائی اور تقریباً سنہ ۴۰ھ تک اکابر صحابہؓ عالمِ وجود میں رونق افزا رہے۔ سنہ ۶۰ھ تک اصاغر صحابہؓ کی جو عہدِ نبوت میں کم سن تھے خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہوتے ہوتے تک اس نورِ نبوّت کا تقریباً ہر چراغ گُل ہو گیا تھا۔ ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سالِ وفات یہ ہیں :۔

شمار	اسمِ گرامی	نام شہر	سالِ وفات
۱	ابو امامہ باہلیؓ	شام	سنہ ۸۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن جزءؓ	مصر	سنہ ۸۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	کوفہ	سنہ ۸۷ھ
۴	سائب بن یزیدؓ	مدینہ	سنہ ۹۱ھ
۵	انس بن مالکؓ	بصرہ	سنہ ۹۳ھ

[1] ۱۸۶۱ء میں لکھی اور الہ آباد سے شائع ہوئی ؎

حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے اس فہرست میں سب سے آخر جگہ پائی ہے، وہ آنحضرتؐ کے خادمِ خاص تھے، دس برس تک متصل آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے ہیں، وہ ۹۳ھ میں وفات پاتے ہیں۔

تابعینؒ یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور ۱ھ کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے مگر آنحضرتؐ کی زیارت سے محروم رہے یا بہت بچے تھے اور آنحضرتؐ کا فیض نہ حاصل کر سکے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن حارث تابعیؒ تقریباً ۳ھ میں قیس بن ابی حازمؒ ۲ھ میں، سعید بن مسیبؒ ۱۴ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔ یہ دکھانے کے لئے کہ صحابہ کے بعد گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع وحالات اور احکام وقضایا کی تعلیم وتبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے۔ اُن کی مجموعی تعداد کیا ہو گی؟ میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہوں۔ طبقۂ اولی یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا تھا اور اُن سے واقعات و مسائل سُنے تھے ۱۳۹ ہے۔ طبقۂ دوم یعنی وہ تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور اُن سے سُنا ۱۲۹ ہیں۔ طبقہ سوم کے وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا اور اُس سے سُنا، ۸۰ ہیں۔ اس طرح تابعین کی کُل تعداد ۲۵۸ ہے۔ یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے۔ اسی سے مکۂ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن اور مصر وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے اور جن کے روز وشب کا مشغلہ ہی آنحضرتؐ کے قول و فعل کی اشاعت وتبلیغ تھی۔ اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا اور وہ گن لی گئیں۔ اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حالات واقوال کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے۔ صحابۂ کرامؓ میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں :-

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابوہریرہ رضؓ	۵۳۷۴	سنہ ۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ	۲۶۶۰	سنہ ۶۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ	۲۲۱۰	سنہ ۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ	۱۶۳۰	سنہ ۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ	۱۵۶۰	سنہ ۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالک رضؓ	۱۲۸۶	سنہ ۹۳ھ
۷	حضرت ابوسعید خدری رضؓ	۱۱۷۰	سنہ ۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرتِ نبویؐ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ اُن کی وفات کی "تاریخوں" پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ اُن کی وفات کے سال اس قدر متاخر ہیں کہ اُن سے فیض اُٹھانے اور اُن کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہوگی۔ انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا اور وہ دینی اور دُنیادی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھا۔ اس لئے ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا آنحضرتؐ کے حکم بلّغوا عنّی (مجھ سے جو کچھ سُنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو) یا فلیبلّغ الشاھد الغائب (جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سُن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کردیں جو اُس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے۔ یہی اُن کی زندگی کا کام اور یہی اُن کے روز و شب کا مشغلہ تھا۔ اس لئے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کے لئے کھڑی ہوگئی۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، ان کو دہرانا پڑتا تھا اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ آنحضرتؐ نے جہاں اپنے اقوال اور افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کردی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا"۔ اس

اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرتؐ کی کوئی بات نقل کی تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے، پھر کہا حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا۔"

عربوں کا حافظہ فطرتاً نہایت قوی تھا۔ وہ سینکڑوں اشعار کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوتِ حفظ کو معراج کمال تک پہنچایا۔ وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں۔ ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے۔ مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہلِ علم کی نگاہوں میں اُن کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ اُن کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اورنٹیلسٹ اسکالرز اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈ زیہر ہیں۔ اس بنا پر کہ روایاتِ نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرتؐ کی وفات کے نوّے برس بعد شروع ہوا۔ ان کی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اُوپر بتفصیل آپؐ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہؓ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے۔ کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے۔ اس سے خود اندازہ ہو گا کہ گو وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہؓ نے اپنے معلومات کو عموماً تین اسباب سے قیدِ تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

۱۔ ابتداءً آنحضرتؐ نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی ممانعت کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو" لا تکتبو

عنی تمیز القرآن۔ اور یہ اس لئے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا تو آخر میں خود آنحضرتؐ نے بعض صحابہؓ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دے دی۔ اس پر بھی اکثر صحابہؓ اُن کو قیدِ تحریر میں لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کی تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو قرآن کے ساتھ وہ اعتنا، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی اور لوگ تحریری مجموعے کے موجود رہنے کے سبب سے اُن کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے۔ یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہُوا۔ چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا، سینوں کا علم گھٹتا گیا۔ نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھے گا۔ چنانچہ یہ بھی ہُوا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان خیال کرتے تھے اس لئے کوئی چیز تحریر بھی کر لیتے تو اُس کو چھپائے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے۔ یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اُس میں کمی بیشی نہ کر دے۔ مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع و اقوالِ نبویؐ کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا۔ اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبارِ نبویؐ کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی موطا اور مغازی و سیرت میں ابنِ اسحاقؒ کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے۔ یہ دونوں بزرگوار ہمعصر تھے اور ان کی وفات بہ ترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ اس لئے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ

دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث واخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ لگتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی، وہ خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے، فرمان بھیجا کہ "آنحضرتؐ کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے۔" یہ واقعہ تحلیقاتِ بخاری، موطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور اخبار و احادیث و سنن دفاتر میں لکھ کر دارالخلافہ میں آئے اور اُن کی نقلیں تمام ممالکِ اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجی گئیں[۱]۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لئے اس لئے ہوا کہ وہ خود امام تھے، مدینۃ العلم مدینہ منورہ میں قاضیٔ وقت تھے۔ لیکن اس کے علاوہ اس لئے بھی یہ انتخاب موزوں تھا کہ ان کی خالہ عمرہ، حضرت عائشہؓ کی سب سے بڑی شاگرد تھیں اور ان کی روایتیں جو حضرت عائشہؓ سے تھیں اُن کا سرمایہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے جمع تھا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کو خاص عمرہ کی روایتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہدِ نبویؐ کا تحریری سرمایہ آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ خود عہد نبویؐ میں ہی اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوشاہؓ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپؐ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ (باب کتابۃ العلم) آنحضرتؐ نے سلاطینِ عالم کے نام جو خطوط روانہ کئے وہ لکھے ہوئے تھے۔ دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپؐ کا وہ خط جو مقوقس شاہِ مصر کے نام آپؐ نے بھیجا تھا ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہٖ وہی نامہ ہے جو آپؐ نے لکھوایا تھا۔ اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں۔ یہ

---

[۱] مختصر جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص ۳۸ مطبوعہ مصر ٭
اردو ترجمہ العلم والعلماء ۔

پرانے عربی خط میں ہے اور اس کی بعینہٖ وہی عبارت ہے اور مہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے۔ یہ اسلامی روایات کی کتنی بڑی صداقت کی دلیل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں۔ مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ سے جو کچھ سنتے اُس کو لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ (بخاری باب کتابتہ العلم) ابوداؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آنحضرتؐ کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش رہتے ہیں؟ اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو؟ عبداللہ بن عمروؓ نے اس بناء پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرتؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔" (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷) عبداللہ بن عمرو نے اپنے اس مجموعہ کا نام "صادقہ" رکھا تھا (ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے جن میں ایک یہ صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔ (دارمی ۶۹) مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمرو صحابیؓ کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی۔ دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ صادقہ ہے جس کو میں نے خود آنحضرتؐ سے سنا جس میں میرے اور آپؐ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے (ابنِ سعد ۲-۲-۱۲۵) صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور اُن کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صفحوں میں ہیں اُن کو لکھوا کر آنحضرتؐ نے امراء کو بھیجا تھا اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان میں اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں (دارقطنی کتاب الزکوٰۃ ۲۰۹) زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں (دارقطنی ۲۰۴) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا، جو اُن کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام قلمبند تھیں اور

انہوں نے اُس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۴ و ۱۰۲۰) حدیبیہ میں جو صُلحنامہ آنحضرتؐ اور کُفارِ قریش کے درمیان حضرت علیؓ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لی اور ایک آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھی (ابن سعد مغازی ص ۱۷) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالے کی، جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں (کنز العمال صد ۳ ۱۸۶) عبداللہ بن الحکیمؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامہ پہنچا، جس میں مُردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۲۱۷) وائل بن حجر صحابیؓ جب بارگاہِ نبویؐ سے اپنے وطن حضر موت جانے لگے تو آنحضرتؐ نے اُن کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا جس میں نماز، روزہ، ربوٰ، شراب اور دیگر احکام تھے (طبرانی صغیر صفحہ ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پُوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے آنحضرتؐ نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا (دارِ قطنی ۲ صفحہ ۴۸۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے عہدِ خلافت (۹۹ھ، ۱۰۱ھ) میں آنحضرتؐ کے فرمان متعلقِ صدقات کی تلاش کے لئے اہلِ مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آلِ عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا (دارِ قطنی ۱۵۴) آپؐ نے اہلِ یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلے تھے۔ قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھُوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں (دارمی صفحہ ۲۹۳) حضرت معاذؓ نے آنحضرتؐ سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپؐ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں (دارِ قطنی صفحہ ۲۵) مروان نے خُطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے۔ رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا "اور مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہُوا موجود ہے۔ اگر تم چاہو تو میں اُس کو پڑھ کر سُناؤں (ابنِ حنبل ج ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرتؐ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے سوا اور کونسی سورہ پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب لکھا کہ

حل آتا ئی (مسلم ۳۲۳) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرتؐ نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے (مسلم ۲ - ۳۰۷)۔

یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرتؐ نے مختلف لوگوں کو لکھوا کر دیئے یا بھجوائے۔ ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لائے یا لانا چاہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانۂ خلافت میں مرتب کیا۔ پھر اس کو پسند نہ کیا اور مٹا دیا (تذکرۃ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانۂ خلافت میں غور کیا اور بہت کچھ سوچتے رہے۔ مگر پھر ہمت نہ کی۔ ابھی آپ سن چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرتؐ کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا جس میں آپؐ کے ملفوظات تھے۔ مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اس کو دکھاتے تھے (ترمذی ۵۸۶) حضرت علیؓ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا (مسلم مقدمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے، اہلِ طائف میں سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سنانے کے لئے لائے (کتاب العلل ترمذی صفحہ ۶۹۱) سعید بن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ "صادقہ" ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا (ترمذی ۶۱ و ۱۱۳) اور یہ بے چارے اس لئے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں، خود حافظ نہیں ہیں (تہذیب ۸-۴۹) حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لئے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب ج ۱ ص ۳۱۶)۔ حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا۔ اور ابوالزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث میں ہیں اور تابعی ہیں حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) سمرہ بن جندب صحابیؓ سے اُن کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے حبیب۔ (تہذیب التہذیب ۱۹۸) حضرت ابوہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہ میں کوئی حافظِ حدیث

نہ تھا۔ اُن کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفۂ ہمام کے نام سے احادیث میں مشہور ہے۔ اس کو امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے۔ بشیر ابن نہیک نے حضرت ابوہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا مجموعہ لکھا اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لی (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱، دارمی ۶۸) حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بُلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ وہ اُن کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۵)۔

حضرت انسؓ دُوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں، وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ "میرے بچو! علم کو تحریر کی قید و بند میں لاؤ" (دارمی ۶۸) ابان اُن کے شاگرد اُن کے سامنے بیٹھ کر اُن کی روایتیں قیدِ تحریر میں لایا کرتے تھے (دارمی ۶۸) سلمیٰ ایک خاتون کہتی ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ابو رافع آنحضرتؐ کے غلام سے آنحضرتؐ کے کارنامے لکھا کرتے تھے (ابنِ سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۳)۔ واقدی سیرتِ نبویؐ کے ابتدائی مصنّفین میں سے ایک سے بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیسِ عمان کے نام آنحضرتؐ نے جو خط بھیجا تھا وہ ابن عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا (زاد المعاد ۲۔ ۵۷) غزوۂ بدر کا مفصّل حال عروہ بن زبیرؓ نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا (طبری ۱۲۸۵)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ آنحضرتؐ کے خادمِ خاص تھے اور اُن کو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حاضری کا اذنِ عام تھا۔ اُن کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سُن جاتے ہیں اور پھر اُس کو جا کر لکھ لیتے ہیں اور مَیں قرآن کے سِوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہیں جانتا (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ مَیں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روایتیں سُنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صُبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا (دارمی ۶۹) براء بن عازب صحابیؓ کے پاس لوگ بیٹھ کر اُن کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (دارمی ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس

رہے تھے۔ وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے (دارمی ۶۹) عبداللہ ابن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ خود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع ۱۷) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو اُن کو لکھتے تھے۔ پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے۔ ان سے پوچھتے تھے۔ اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے اُن کے درمیان فیصلہ ہی تھا (جامع ۳۳) اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے تو اُنہوں نے مٹا دیا (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی تھے، اُن کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ اُن کو سامنے بٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کئے کہ وہ جو بولتے جائیں یہ لکھتے جائیں (جامع ۳۳) حضرت معاویہؓ نے بھی ان کی ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی لیکن وہ تاڑ گئے اور زبردستی مٹوا دی (احمد ۵ ص ۱۸۲)۔

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سُنتے سُنتے گھبرا اُٹھے ہوں لیکن اطمینان رکھئے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے۔ مَیں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دُنیا میں قابلِ وثوق ہو سکتا ہے تو خود عہدِ نبویؐ میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا اور پچھلوں کے لئے یادگار چھوڑا اور پچھلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ کی ہی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام مرویات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جا کر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لئے فراہم کر دیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطا بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد وغیرہ سینکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا اور ہمارے سامنے اُس کا انبار لگا دیا۔ شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہیں آنحضرتؐ کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابوالزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام

لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۲۳) ابن کیسان کہتے ہیں کہ مَیں اور زہری طلب علم میں ساتھ تھے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں سنن لکھوں گا۔ چنانچہ جو کچھ آنحضرتؐ سے متعلق تھا، سب لکھا۔ زہری نے کہا صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سُنّت ہے۔ مَیں نے کہا وہ سُنت نہیں، چنانچہ مَیں نے نہیں لکھا۔ انہوں نے لکھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ کامیاب ہُوئے اور مَیں برباد ہوگیا (ابن سعد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۳۵) ان امور کو قیدِ تحریر میں لانے والے سینکڑوں تابعی تھے جن میں سے ایک امام زہری ہیں۔ صرف ان کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے۔

امام زہری ۵۰ھ میں پیدا ہُوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی وہ نسباً قریشی تھے، انہوں نے جس محنت کاوش اور استقصا سے آنحضرتؐ کے حالات اور اقوال جمع کیے اس کا اندازہ مورخین کے اس بیان سے کرو کہ "وہ مدینہ منوّرہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بُوڑھے، عورت، مرد، جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرتؐ کے اقوال اور حالات پُوچھتے اور قلمبند کرتے (تہذیب ترجمہ زہری)۔

اس زمانہ میں بکثرت صحابہؓ زندہ تھے۔ زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے اور یہ کُل کے کُل روز و شب آنحضرتؐ کے اقوال، افعال اور احوال کی جمع و ترتیب، تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول تھے، یہی اُن کی زندگی کا کام تھا۔ اس کے سوا دُنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث و سیر کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا۔ اور تابعین اُن کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہؓ کو دیکھا۔ اور اُن سے فیض پایا اور صحابہؓ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہُوا اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سو برس کے بعد ہُوا، حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے۔ تابعین اُن کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور صحابہؓ کی زیارت کی اور اُن سے مستفید ہوئے۔

عام اس سے کہ وہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوں، مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو یا عہدِ نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے، اس لئے آپؐ سے فیض یاب نہ ہوئے یا آپؐ کی وفات (ربیع الاوّل ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین میں داخل ہیں، اس طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپؐ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہوگیا تھا۔ اس لئے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لئے ایک ایک صحابی کے دُنیا سے رُخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ سو برس کا زمانہ گزرنے کی حاجت ہے۔ وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے وجود کا خاتمہ ہوگیا جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار وسیر کی ترتیب کا کام سو برس کے بعد شروع ہوا۔

مسلمانوں میں اخبار وسیر اور احکام وسنن کی ترتیب اور تدوین کے در حقیقت تین دَور ہیں۔ اوّل جب ہر شخص نے صرف اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا۔ دُوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے۔ تیسرا دَور وہ تھا جب تمام دُنیائے اسلام کے معلومات اکٹھے کئے گئے اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔ پہلا دَور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا۔ دوسرا دَور ۱۵۰ھ تک رہا اور تیسرا دور ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔ پہلا دَور صحابہ اور اکابر تابعینؒ کا تھا۔ دُوسرا دَور تبع تابعین کا اور تیسرا دَور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا۔ پہلے دَور کا تمام سرمایہ دوسرے دَور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دَور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے دَور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دُنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے جس سے زیادہ مستند اور معتبر دُنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدّت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

"لیکن مسلمانوں نے اس فنِ سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت ہی زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریکِ واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریکِ واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ اُن کے مشاغل کیا تھے؟ اُن کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے؟ یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مُشکل تھا، لیکن سینکڑوں، ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے اور راویوں سے ملے۔ اُن کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماءُالرّجال کا وہ عظیم الشّان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔"

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا۔ اصولِ تنقید اور درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول وقواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جا سکتی ہے۔ راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں۔ راویوں میں بڑے

بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا۔ امام وکیعؒ بڑے محدث تھے۔ لیکن اُن کے باپ سرکاری خزانچی تھے۔ اس بنا پر وہ خود اُن سے جب روایت کرتے تو اُن کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے۔ یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟[1]

مسعودی ایک محدث ہیں ۱۵۱ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے اُن کو دیکھا کہ اُن کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔[2] یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں یعنی اُس کے متعلق خاموش رہیں۔ انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ "میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا"۔[3] کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانتداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام کچا پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف، قابلِ قبول اور ناقابلِ قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے اور آج بھی ان ہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جا سکتی ہے اور کھرے کھوٹے کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت لیا۔ آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آ گیا ہوگا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا۔ سیرتِ مبارکہ کا سب سے اہم اور سب سے مستند اور سب سے صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے، جس کی صحت اور معتبری

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۱۱ [3] تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۳۱ ؞

ہیں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ آنحضرتؐ کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبلِ نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاشِ حق، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع، اخلاق، سب اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں جن میں صحیح الگ، کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں۔ صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے۔ مسانید ہیں جن میں سب سے ضخیم امام ابن حنبلؒ کا مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت مصر کے بڑے باریک صفحہ کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی۔ اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں۔ ان مجموعوں میں آنحضرتؐ کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرتؐ کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں۔ ان میں مغازی عروہ بن زبیر، المتوفی ۹۴ھ۔

مغازی ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ، مغازی زیاد بکائی المتوفی ۱۸۳ھ، مغازی واقدی المتوفی ۲۰۷ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرتؐ کے سوانح پر ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابوجعفر طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابنِ حبان اور تاریخ ابنِ ابی خثیمہ بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں)۔

۵۔ آنحضرتؐ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو کتب دلائل کہتے ہیں۔ مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ۔ دلائل النبوت ابواسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، دلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ۔ دلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ۔ دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ، دلائل ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ۔ اور سب سے

زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کا خصائصِ کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں یعنی وہ کتابیں جو آنحضرتؐ کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولاتِ زندگی پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی المتوفیٰ ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی ہے۔ اسی فن کی دوسری کتابیں شمائل النبی ابوالعباس مستغفری المتوفیٰ ۴۳۲ھ اور شمائل النور الساطع ابن المقری غرناطی المتوفیٰ ۵۵۲ھ اور سفر السعادہ مجد الدین فیروز آبادی المتوفیٰ ۸۱۷ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں۔ جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرتؐ کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں جن کو آنحضرتؐ سے کوئی تعلق ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم اخبار مکہ للازرقی المتوفیٰ ۲۲۳ھ اخبارِ مدینہ عمر بن شبہ المتوفیٰ ۲۶۲ھ، اخبار مکہ فاکہی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں۔

حضرات! میں نے سیرتِ مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے اس سے موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیرتِ محمدیؐ کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔ صرف اس زبانی حفظ اور تحریری یادداشت ہی پر محدثین سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لئے مغازی کی تعلیم کی غرض سے درس گاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کئے۔ حضرت قتادہؓ انصاری صحابی تھے۔ ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے پایۂ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے (تہذیب)۔

غرض آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں ہر زبان میں، آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا

اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا۔ اردو کا تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ کا نہیں، اس میں بھی ٹھوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۰ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے۔ تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑ دو کہ ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکار کی عقیدت و غلامی ہے، دشمنوں کے کیمپ میں آؤ۔ ہندوستان میں ہندوؤں نے، سکھوں نے، عیسائیوں نے، برہمو سماجیوں نے آپؐ کی سیرتیں لکھی ہیں۔ یورپ جس کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لئے یا علمی ذوق یا تاریخِ عالم کی تکمیل کے لئے لائف آف محمدؐ پر کتابیں لکھی گئیں۔ آج سے غالباً سولہ، سترہ برس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ "المقتبس" میں شمار چھپا تھا کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلامؐ کے متعلق تیرہ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا۔ انگریزی زبان میں پروفیسر مارگولیس (MARGOLIOUTH) جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب "محمدؐ" سے جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے، زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرتِ نبویؐ پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم وہ اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

"محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے۔"

THE BIOGRAPHERS CF THE PROPHET MOHAMMED FORM A LONG SERIES IT IS IMPOSSIBLE TO END BUT IN WHICH IT WOULD BE HONOURABLE TO FIND A PLACE

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن" لکھی ہے۔ اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ ترمفصل اور سچے ہوں۔"

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ (BASWORTASMITH) فیلو آف ٹرینٹی کالج آکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمد اینڈ محمڈنزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لیکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے :-

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی (ابتدا نامعلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے، وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور اُن کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس (AMBRASE) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اُٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لئے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں اُس نے دُنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک آئیڈیل لائف جو بہت دُور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، اُن کے ابتدائی احباب اُن کے ساتھ اُن کے تعلقات، اُن کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ اُن کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے۔ لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلاپن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ کے

متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، میتھالوجی فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عربی مصنفین میں نہیں، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جاسکتے ہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے"۔

(ص ۱۴-۱۵، ۱۸۸۹ء)

آنحضرتؐ کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاءؑ کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے۔ سیرت و اخبار نبویؐ کی ابتدائی کتابیں، ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سُن کر اور پڑھ کر اور اُن کا ہر ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالکؒ سے چھ سو آدمیوں نے سُنا جن میں سلاطینِ زمانہ، علماء، فقہاء، حکماء، ادباء اور صوفیاء ہر طبقہ کے آدمی تھے۔ امام بخاریؒ کی تصنیف جامع صحیح کو صرف اُن کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سُنا۔ اس احتیاط، اس استناد اور اس اہتمام سے بتاؤ کس شارع یا بانی دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہُوا اور یہ تاریخیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے حصّہ میں آئی؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ

چوتھا خطبہ

کاملیّت

دوستو! آج کی گفتگو کا موضوع کاملیّت ہے، کوئی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی ہو جب تک وہ کامل نہ ہو ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی۔ کسی زندگی کا کامل اور ہر نقص سے بری ہونا، اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس زندگی کے تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں۔ پیغمبرِ اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخِ عالم کے سامنے ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے اہلِ وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش، شیرخوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمد و رفت، شادی، احباب قبلِ نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت۔ امین بننا اور خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غارِ حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفرِ طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوتِ اسلام کے نامہ و پیغام، اسلام کی اشاعت، تکمیلِ دین، حجۃ الوداع، وفات۔ ان میں سے کون سا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپؐ کی کون سی حالت ہے جس سے اہلِ تاریخ ناواقف ہیں۔ سچ جھوٹ، صحیح غلط ہر چیز الگ الگ موجود ہے اور اس کو ہر شخص جان سکتا ہے۔ کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع اور ضعیف روایتوں کو بھی کیوں محفوظ رکھا؟ مگر خیال آیا کہ اس میں مصلحت الٰہی یہ تھی کہ

معترضوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے بہت سی روایتوں کو غائب کر دیا۔ جیسا کہ آج عیسائی لٹریچر پر اعتراض کیا جاتا ہے اس لئے ہمارے محدثینِ کرام نے اپنے پیغمبر کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لاکر رکھ دیا ہے اور ان دونوں کے درمیان تفرقے بتا دیئے ہیں اور اصول مقرر کر دیئے ہیں۔

اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور و طریق، رنگ و بُو، خط و خال، قد و قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہم خوابی و طہارت کے واقعات ہر چیز پوری روشنی میں مذکور معلوم اور محفوظ ہے۔ میں یہاں پر آپ کو شمائلِ نبویؐ کی صرف ایک قدیم ترین کتاب "شمائل ترمذی" کے ابواب پڑھ کر سناتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جزئی جزئی واقعات بھی کس طرح قلمبند کئے گئے ہیں۔

۱۔ آنحضرتؐ کے حلیہ اور صورت و شکل کے بیان میں۔

۲۔ آنحضرتؐ کے بالوں کے بیان میں۔

۳۔ آنحضرتؐ کے پکے ہوئے بالوں کے بیان میں۔

۴۔ آنحضرتؐ کی کنگھی کے بیان میں۔

۵۔ 〃 〃 خضاب 〃 〃۔

۶۔ 〃 〃 سرمہ لگانے 〃 〃۔

۷۔ 〃 〃 لباس 〃 〃۔

۸۔ 〃 〃 زندگی بسر کرنے 〃 〃۔

۹۔ 〃 〃 موزوں 〃 〃۔

۱۰۔ 〃 〃 پاپوش 〃 〃۔

یہ آپؐ کے تمام ذاتی حالات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک عنوان کے متعلق کہیں چند کہیں بکثرت واقعات ہیں اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ آنحضرتؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا۔ اندر آپؐ بیویوں اور بال بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے، باہر معتقدوں اور دوستوں کی محفل میں۔

دوستو! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے۔ اسی لئے والٹیر کے مشہور فقرہ کے مطابق "کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہوسکتا (NO MAN IS A HERO TO HIS VALET) باسورتھ اسمتھ کی رائے ہیں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلامؐ کے متعلق صحیح نہیں[1]۔ گبن نے لکھا ہے کہ "تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اس قدر سخت امتحان نہیں لیا، جس قدر محمدؐ نے۔ انہوں نے رفعتہً اپنے کو سب سے پہلے اُن لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا جو اُن کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی بیوی، اپنے غلام، اپنے بھائی، اپنے سب سے واقف کار دوست کے سامنے اور ان سب نے بلا پس و پیش آپؐ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔"

بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی صداقت پر سب سے پہلے آپؐ ہی کی بیوی ایمان لائیں۔ وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپؐ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں اور آپؐ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں۔ بایں ہمہ جب آنحضرتؐ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہی نے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا۔

بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اُس کو یہ اذنِ عام دیدے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کو برملا کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کر دو۔ مگر آنحضرتؐ کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذنِ عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کر دو۔ جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو،

---

[1] باسورتھ اسمتھ کی کتاب لائف آف محمد بحوالہ خطبات

جو بند کو مطریوں میں دیکھو اُس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔ اس اخلاقی وثوق داعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے ؟

یہ تو آنحضرتؐ کے ذاتی احوال کے متعلق تھا۔ آپؐ کے اخلاقِ طاہرہ، اوصافِ عالیہ اور آدابِ فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفاء اس پہلو سے بہترین کتاب ہے۔ ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کے اصلی محاسن سے واقف کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی "شفا" کا کسی یورپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے۔

سیرتِ نبویؐ کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کئے ہیں :۔

حلیۂ اقدس، مہرِ نبوت، موئے مبارک، رفتار، گفتگو، خندہ و تبسم، لباس، انگوٹھی، خود و زرہ، غذا اور طریقہ طعام، معمولاتِ طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ، نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال، لطافت پسندی، سواری کا شوق۔

معمولات کے ماتحت حسبِ ذیل عنوانات ہیں :۔

صبح سے شام تک معمولات، خواب، عبادت شبانہ، معمولاتِ نماز، معمولاتِ خطبہ، معمولاتِ سفر، معمولاتِ جہاد، معمولاتِ عیادت و عزا، معمولاتِ ملاقات، عام معمولات۔

مجلسِ نبویؐ کے ماتحت عنوانات :۔

دربارِ نبوت، مجالسِ ارشاد، آدابِ مجلس، اوقاتِ مجلس، عورتوں کے لئے مخصوص مجالس، طریقۂ ارشاد، مجالس میں شگفتگی، فیضِ صحبت، طرزِ بیان، خطبات کی نوعیت، خطباتِ نبویؐ کی تاثیر۔

عبادات کے ماتحت عنوانات :۔

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یادِ الٰہی، خدا کا ذوق و شوق، میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی، خشیتہ الٰہی، گریہ و بکا، محبتِ الٰہی، خدا پر توکل، صبر و شکر۔

اخلاقِ نبویؐ کی تفصیلی جزئیات :۔

اخلاقِ نبویؐ کا جامع بیان، استقامتِ عمل، حسنِ خلق، حسنِ معاملہ، عدل و انصاف،

جود وسخا، مہمان نوازی، ایثار، گداگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدمِ تشدد، تقشف ناپسند تھا، عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم اور مدح کی ناپسندیدگی، شرم وحیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم واستقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد وقناعت، عفو وحلم۔ دشمنوں سے عفو ودرگزر اور حُسنِ سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت، دشمنانِ جانی سے عفو ودرگزر، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت ومحبت عام، رقیق القلبی، عیادت وتعزیت، لطفِ طبع، اولاد سے محبت، ازواجِ مطہراتؓ کیساتھ سلوک۔

حافظ ابن قیم نے "زاد المعاد" میں سب سے زیادہ آپؐ کے حالات کا استقصا کیا ہے، چنانچہ صرف ذاتی حالات کی فہرست سُنئے :۔

آپؐ کا طریقہ رسل ورسائل، آپؐ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپؐ کے نکاح اور ازدواجی تعلقات کا طریقہ، خواب وبیداری کا طریقہ، سواری کا طریقہ، لونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کے لئے قبول فرمانے کا طریقہ، آپؐ کے معاملات اور خرید وفروخت کا طریقہ، حوائجِ ضروری کے آداب، اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے اور ترشوانے میں آپؐ کا طریقہ، آپؐ کا طرزِ کلام، آپؐ کی خاموشی، آپؐ کا خندہ فرمانا، آپؐ کا رونا، آپؐ کا طریقۂ خطابت، طریقۂ وضو، موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ، طریقۂ تیمم، آپؐ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ، آپؐ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپؐ کے سجدہ کرنے کا طریقہ، قعدہ اخیرہ میں آپؐ کی نشست کی کیفیت، آپؐ کے نماز میں بیٹھنے اور تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، آپؐ کا نماز میں سلام پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپؐ کا دعا فرمانا، آپؐ کے سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ، آپؐ کا نماز میں سترہ کھڑا کرنے کا طریقہ، سفر وحضر، مسجد اور گھر میں آپؐ کے سنن ونوافل پڑھنے کا طریقہ، تہجد یا فجر کی سُنت کے بعد آپؐ کی استراحت کا طریقہ، آپؐ کے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر

پڑھنے کا طریقہ، آپؐ کا وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ، آپؐ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپؐ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپؐ کے سجدۂ شکر بجالانے کا طریقہ، آپؐ کے سجدۂ قرآن ادا کرنے کا طریقہ، آپؐ کے جمعہ کے معمولات، آپؐ کے جمعہ کے دن کی عبادات کا طریقہ، آپؐ کے خطبہ دینے کا طریقہ، صلوٰۃِ عیدین میں آپؐ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپؐ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، استسقاء میں آپؐ کا طریقہ، آپؐ کے سفر کا طریقہ، سفر میں آپؐ کے نفل پڑھنے کا طریقہ، آپؐ کے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ، آپؐ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، بیماروں کی عیادت میں آپؐ کا طریقہ، جنازوں کے متعلق آپؐ کا طریقہ، جنازوں کے ساتھ آپؐ کے تیز قدم اٹھانے کا طریقہ، آپؐ کا میت پر کپڑا ڈالنے کا طریقہ، کسی میت کے آنے پر اُس کے متعلق آپؐ کے سوال کرنے کا طریقہ، جنازہ کی نماز میں آپؐ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں آپؐ کا معمول، خودکشی کرنے والے اور جہاد کے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپؐ کا نماز نہ پڑھنا، جنازہ کے آگے آگے آپؐ کے چلنے وغیرہ کا طریقہ، جنازہ غائب پر آپؐ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، جنازہ کے لئے آپؐ کے کھڑے ہونے کا طریقہ، تعزیت اور زیارتِ قبور میں آپؐ کا طریقہ، صلوٰۃِ خوف میں آپؐ کا طریقہ، زکوٰۃ اور صدقات میں آپؐ کا طریقہ، روزہ میں آپؐ کا طریقہ، آپؐ کا رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ و افطار کے متعلق آپؐ کا طریقہ، چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپؐ کا طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپؐ کا طریقہ، عرفہ کے دن عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ، شنبہ، یکشنبہ میں آپؐ کے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپؐ کے پے در پے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپؐ کے نفل روزہ رکھنے اور اُس کے ٹوٹ جانے پر ادا کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ، روزِ جمعہ کو روزہ کے لئے مخصوص کر لینے پر آپؐ کا کراہت فرمانا، آپؐ کے اعتکاف کا طریقہ، حج و عمرہ میں آپؐ کا طریقہ، آپؐ کا ایک سال میں دو عمرہ ادا کرنے کا طریقہ، آپؐ کے حجوں کی کیفیت، آپؐ کا حج میں اپنے دستِ مبارک سے قربانی فرمانے کا طریقہ،

آپؐ کا حج میں سر منڈانے کا طریقہ، ایامِ حج میں آپؐ کے خُطبوں کا طریقہ، عیدالاضحٰے میں آپؐ کے قربانی کرنے کا طریقہ، عقیقہ میں آپؐ کا طریقہ، نومولود بچہ کے کان میں آپؐ کے اذان دینے اور اُس کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپؐ کے عادات، ناموں اور کنیتوں کے رکھنے میں آپؐ کا طریقہ، بولنے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپؐ کا طریقہ، اذکار و وظائف میں آپؐ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپؐ کا طریقہ، بیت الخلاء جانے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، آپؐ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دُعا کے متعلق آپؐ کا طریقہ، اذان کے وقت الفاظِ اذان کے دُہرانے کے متعلق آپؐ کا طریقہ، رویتِ ہلال کے وقت آپؐ کے دُعا فرمانے کا طریقہ، کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپؐ کے دُعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، آدابِ طعام میں آپؐ کا طریقہ، آدابِ سلام میں آپؐ کا طریقہ، آپؐ کا دُوسروں کے گھر میں اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، آدابِ سفر میں آپؐ کے طریقے اور سفر میں دُعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دُعاؤں کے متعلق آپؐ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ سمجھنے میں آپؐ کی عادت، غزوات اور جہاد میں آپؐ کا طریقہ، قیدیوں کے متعلق آپؐ کا معمول، قیدی جاسوس اور غلام کے متعلق آپؐ کا معمول، صُلح کرنے، امان دینے، جزیہ مقرر کرنے اور اہلِ کتاب و منافقین کے ساتھ علی الترتیب، آپؐ کے برتاؤ کرنا، کفار و منافقین کے ساتھ علی الترتیب آپؐ کے برتاؤ کرنے کا طریقہ، آپؐ کا امراضِ قلب اور امراضِ بدن کے علاج کرنے کا طریقہ۔

میں نے آپ کے سامنے جزئی جزئی باتوں کی اجمالی فہرست پیش کی ہے اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے، تو بڑی بڑی اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہو گی؟ غرض ایک انسان کی زندگی کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں وہ سب محفوظ اور مذکور ہیں۔

حضرات! اب آپ نے سمجھا ہو گا کہ کاملیت سے میرا کیا مقصود تھا اور میرے اس دعوے کی کہ اس معیار پر سیرتِ محمدیؐ کے سوا انبیاءؑ میں کسی کی سیرت محفوظ

نہیں) صداقت آشکارا ہو گئی ہو گی۔

وقت کم ہے اور مضمون ابھی بہت باقی ہے، تاہم یہ مختصراً سن لیجئے کہ آنحضرتؐ خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد میں ہوں یا میدانِ جہاد میں، نمازِ شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر ہوں یا گوشۂ تنہائی میں۔ ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظرِ عام پر لائی جائے۔ ازواجِ مطہراتؓ آپؐ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں۔ مسجدِ نبویؐ میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کے لئے تھا جن کے رہنے کو گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپؐ کے ملفوظات سنتے، آپؐ کے حالات دیکھنے اور آپؐ کی معیت میں گزارنے کے لئے صرف کرتے تھے، ان کی تعداد سترؓ کے قریب تھی۔ ان ہی میں حضرت ابوہریرہؓ ہیں جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں۔ یہ ہستیاں معتقد جاسوسوں کی طرح شب و روز ذوق و شوق کے ساتھ آپؐ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے اُن کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک مسلسل آپؐ کی ایک ایک حرکت و سکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی۔ غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزارہا صحابہؓ کو شب و روز آپؐ کے دیکھنے اور آپؐ کے حالاتِ مبارکہ سے واقف ہونے کا موقعہ ملتا تھا۔ غزوۂ فتح میں دس ہزار، تبوک میں تیس ہزار اور حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہؓ کو آپؐ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے اور خلوت و جلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقۂ تعلیم اور میدانِ جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپؐ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی کہ۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی کا کونسا پہلو ہو گا جو زیرِ پردہ رہا ہو گا اور اس پر بھی ایک شخص تک آپؐ پر خردہ گیری نہ کر سکا۔ آج بھی آپؐ کے دشمن اور مخالف پوری چھان بین اور تلاش و جستجو کے بعد مسئلہ جہاد اور تعدادِ

ازدواج کے سوا آپؐ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے تو اب ایسی زندگی کو معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے یا اُن زندگیوں کو جن کا بڑا حصّہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے۔

ایک حیثیت سے اور غور فرمائیے! آنحضرتؐ ہمیشہ صرف اپنے معتقدوں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے، بلکہ مکّہ میں قریش کے مجمع میں رہے۔ نبوّت سے پہلے چالیس برس آپؐ کی زندگی ان ہی کے ساتھ گزری اور پھر تاجرانہ زندگی، لین دین کی زندگی، معاملہ اور کاروبار کی زندگی، جس میں قدم قدم پر بدمعاملگی، بدنیتی، خلافِ وعدگی اور خیانت کاری کے عمیق غار آتے ہیں۔ مگر آپؐ اس طرح بے خطر اس راستہ سے گزر گئے کہ آپؐ کو ان سے امین کا خطاب حاصل ہُوا۔ نبوّت کے بعد بھی لوگوں کو آپؐ پر یہ اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپؐ ہی کے پاس رکھواتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اسی لئے مکّہ میں چھوڑا تا کہ آپؐ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں۔

آپؐ کے دعوائے نبوّت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی، مقاطعہ کیا، دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، آپؐ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنوں کہا، مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپؐ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے۔ حالانکہ نبوّت اور پیغمبری کے دعویٰ کے ہی یہ معنیٰ ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیّت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس دعوے کے ابطال کے لئے آپؐ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں۔ تاہم اس دعویٰ کے توڑنے کے لئے اُنہوں نے اپنی دولت لُٹائی، اپنی اولاد کو قُربان کیا، اپنی جانیں دیں۔ لیکن یہ ممکن نہ ہُوا کہ وہ آپؐ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں۔ کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپؐ دوستوں کی نظر میں تھے وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے اور کوئی چیز زیرِ پردہ اور نامعلوم نہ تھی۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپؐ کا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا۔ کہا "اے قریش!

تم پر جو مصیبت آئی ہے، تم اُس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔ محمدؐ تم ہارے سامنے بچہ سے جوان ہُوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانت دار تھا اور اب جب کہ اُس کے بالوں میں سفیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم! میں نے اُس کی باتیں سُنی ہیں، محمدؐ میں یہ کوئی بات نہیں ۔" (ابنِ ہشام)

آپؐ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا :-

"محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اُس کو صحیح نہیں سمجھتا ۔" (ترمذی تفسیر انعام)

چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے :-

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ (انعام ۴)

"ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تم کو (اے پیغمبرؐ!) غمگین کرتی ہیں تو یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ۔"

جب آنحضرتؐ کو پیش گاہِ الٰہی سے حکم ہُوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو تو آپؐ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا۔ "یا معشر قریش!" جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا :-

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا ۔"

(بخاری شریف سورۂ تبت)

قیصرِ رُوم کے دربار میں قاصدِ نبویؐ پہنچا ہے۔ کفارِ قریش میں آنحضرتؐ کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جو چھ برس متواتر آپؐ کے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جماتے رہے، وہ آنحضرتؐ کی تصدیقِ حال اور تفتیش کے لئے بلائے جاتے ہیں؛ موقع کی نزاکت پر غور کرو۔ ایک دُشمن کی شہادت، اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں

ہے جس کو وہ دل سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ ایک ایسے با سروسامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت ہے کہ اگر اس کو راضی کر لیا جائے تو دم کے دم میں اس کی فوجیں مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں۔ تاہم اس سوال و جواب کو سُنئے:۔

قیصر	ابوسفیان
مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟	شریف ہے۔
اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوےٰ کیا؟	نہیں!
اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟	نہیں!
جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحبِ اثر؟	کمزور لوگ ہیں!
اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟	بڑھتے جاتے ہیں
کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟	نہیں!
وہ کبھی اپنے عہد و قرار سے بھی پھرا ہے؟	ابھی تک تو نہیں، مگر آئندہ دیکھیں!
وہ کیا سکھاتا ہے؟	کہتا ہے کہ "ایک خُدا کی عبادت کرو، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو اور اہلِ قرابت کا حق ادا کرو۔"

کیا اس سے زیادہ نازک موقع کی شہادت سوائے سیرتِ محمدیؐ کے اور کہیں دستیاب ہوسکتی ہے؟ اس سے زیادہ آپؐ کی کاملیت کی کیا دلیل ہوسکتی ہے؟

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ کو اور ملتفت کرنا ہے۔ آنحضرتؐ پر جو لوگ ابتداءً ایمان لائے وہ دریا کنارے کے ماہی گیر نہ تھے۔ وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم

کے افراد نہ تھے بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار، ایران، شام، مصر اور ایشیائے کوچک تک پھیلے تھے۔ ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دُنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے مُلکوں پر فرماں روائیاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصوّر کر سکتا ہے کہ ایسے پُرزور، قوی بازو اور دانایانِ روزگار سے آنحضرتؐ کا کوئی حال چُھپا رہ سکتا تھا اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے، بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپؐ کے ایک ایک نقشِ قدم پر چلنا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔ یہ آپؐ کی کاملیت کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ آپؐ جس طرح تھے اسی طرح سب کو معلوم تھے اور اسی طرح اب تک ہیں۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کی زوجۂ محترمہ جو نو برس آپؐ کے ساتھ رہیں فرماتی ہیں:۔

"جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمدؐ نے خدا تعالےٰ کے احکام میں سے کچھ چھپا لیا اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا تو اس کو سچ نہ جانو کہ خدا فرماتا ہے (صحیح بخاری تفسیر آیتِ ذیل)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔ (مائدہ ۱۰)

"اے پیغمبر! خدا کی طرف سے تجھ پر جو کچھ اُترا وہ لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو تُو نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔"

دُنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی بے خطر برملا اعلان کر دے، خصوصاً وہ جو ایک جماعت کی رہبری و رہنمائی اور وہ بھی روحانی و اخلاقی

کر رہا ہو، لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں آنحضرتؐ کو اُن کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے، تاہم اُن میں سے ہر آیت آپؐ نے پڑھ کر سُنائی۔ لوگوں نے یاد کی، ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی اور اب تک جہاں محمدؐ کا نام ہے، وہ آیتیں اُن کے ماننے والوں کی زبانوں پر ہیں۔ حالانکہ اگر ان معمولی فروگذاشتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہ ہوتا تو آج دُنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا۔ مگر ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہونی تھی اور وہ کی گئی۔

آنحضرتؐ کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلائے عرب کے نزدیک قابلِ اعتراض تھا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر حضورؐ خدا تعالےٰ کی کسی وحی کو چھپا سکتے" تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے) (مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۳۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے۔ مگر آنحضرتؐ نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں رہا ہے۔

باسورتھ اسمتھ صاحب کی یہ شہادت پیش کرنے کے لائق ہے۔

> "یہاں پُورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے، شخصیت کی تاریک گہرائیاں درحقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی، لیکن ہم محمدؐ کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ اُن کی جوانی، اُن کا ظہور، اُن کے تعلقات، اُن کے عادات اُن کا پہلا تخیل اور تدریجی ترقی، اُن کی عظیم الشان وحی کا نوبت نوبت آنا، اور ان کی اندرونی تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جا چکا ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں جو اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے، لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا۔ اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر اسپرٹ کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے، عموماً

تصنّع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب،، متضاد، تھکا دینے والی، لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز، جو اس کے اندر بند ہے، خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا کبھی اُنہوں نے دعویٰ نہیں کیا اور یہ محمدؐ کی آخری عظمت ہے کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔"

(ص ۱۵)

گبن کے الفاظ میں :-

"کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا، جیسا کہ محمدؐ نے، جب کہ اُس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے اُن لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوریوں سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے، وہ لوگ جو اُس سے سب سے زیادہ واقف تھے، ان کی بیوی، ان کا حبشی غلام، ان کا چچازاد بھائی، ان کا سب سے پرانا دوست، جس نے جیسا کہ محمدؐ نے خود کہا ہے کہ اس کے پیروں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پُشت پھیری اور نہ گھبرایا۔ یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے، پیغمبروں کی عام قسمت محمدؐ کے حق میں بالکل الٹ گئی، وہ غیر معزز نہ تھا، لیکن اُن کے نزدیک جو اُس سے واقف نہ تھے (۱۰۸ - اسمتھ)

ان شہادتوں کا یہ مقصد ہے کہ جو جس قدر آنحضرتؐ کے حالات سے واقف تھا اُسی قدر زیادہ وہ ان کا عقیدت مند تھا۔ عام پیغمبروں کا یہ اصول رہا ہے کہ پہلے اُن کو ناواقفوں نے مانا ہے تب جاکر گھر والوں کی باری آئی ہے۔ مگر آنحضرتؐ کا سانحۂ حیات اس سے بالکل مختلف ہے۔ آپؐ کو سب سے پہلے اُنہوں نے مانا جو آپؐ کے اخلاق، عادات اور حالات سے زیادہ واقف تھے۔ اور اُن میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان و اعتقاد کا شدید خطرناک امتحان دیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ تین برس تک آپؐ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں جس میں بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت جب ہر چہار طرف دشمن تعاقب میں تھے، رات کی تاریکی میں آپؐ کے ساتھ خطرناک رفاقت کا حق ادا کیا۔ حضرت علیؓ نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا۔ حضرت زیدؓ غلامِ خاص وہ تھے جو پتہ ملنے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی اپنے روحانی باپ سے مفارقت گوارا نہ کی۔

گاڈفری ہیگنس اپالوجی فار محمدؐ میں کہتا ہے :۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلعم) کے پیغام نے وہ نشہ آپؐ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جب عیسیٰؑ کو سُولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتداء کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس کے محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپؐ کے بچاؤ کے لئے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپؐ کو غالب کر دیا"

(ترجمہ اُردو ص ۶۶، ۶۷، مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء)

اُحد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے آپؐ پر یورش کی اور مُسلمانوں کی صفیں درہم ہوئیں تو آپؐ نے آواز دی کہ "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟" اس آواز کو سُن کر دفعتہً سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر جانیں فدا کر دیں، ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی اور شوہر تین پیاری جانیں اس معرکہ میں تصدّق ہوئیں۔ باری باری تین سمت حادثوں کی صدائیں اُس کے کانوں میں پڑتی ہیں اور وہ ہر بار صرف یہ پُوچھتی جاتی ہے کہ وہ جانِ عالم رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اُس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اُٹھی کُلّ مصیبۃ بعدک جلل یا رسول اللہ!

تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں ؎

مَیں بھی اور باپ بھی شوہر بھی ، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہُوئے کیا چیز ہیں ہم

دوستو! یہ محبت ، یہ عشق ، یہ جان نثاری اُن میں تھی جو آپؐ کو ہر طرح اور ہر حیثیت سے جانتے تھے . کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی زندگی اُس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو اس لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر وہ جانیں قربان کریں .
اس سے زیادہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کے لئے نمونہ بتایا اور اس کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بنایا .

إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ۔ (آل عمران ۴) "اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو تو خدا تم کو پیار کرے گا"

آپؐ کی اتباع کو یعنی آپؐ کی زندگی کی نقل و عکس کو خدا تعالےٰ کی محبت کا **معیار** بتایا ، ایک لمحہ کے لئے نشۂ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہے مگر پُوری عمر ہر چیز میں ، ہر حالت میں ، ہر کیفیت میں آپؐ کی اتباع کے پُل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سُنّتِ محمدیؐ سے قدم اِدھر اُدھر نہ ہو ، سب سے مشکل امتحان ہے . اس اتباع کے امتحان میں تمام صحابہ پُورے اُترے اور اسی جذبے نے صحابہؓ ، تابعین ، تبع تابعین ، محدثین ، مؤرخین اور اربابِ سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے کہ وہ آپؐ کی ایک ایک بات ، ایک ایک چیز ، ایک ایک جنبش کو معلوم کریں اور پچھلوں کو بتائیں تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے . اس نکتہ سے ظاہر ہو گا کہ آنحضرتؐ کی زندگی اس کے جاننے والوں کی نگاہ میں پُوری کامل تھی ، تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا **معیار** تعیین کیا ..

اسلام کی نگاہ میں آپؐ کی حیات ایک مُسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے ، اس لئے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں اور وہ سب کے سامنے ہیں اسی

سے ثابت ہوگا کہ آپؐ کی زندگی کے سلسلہ کی کوئی کڑی گم نہیں ہے۔ کوئی واقعہ زیرِ پردہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے۔ نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں، انسان کے لئے نمونے کا کام دے سکتی ہے۔

دُنیا میں بابل واسیریا، ہندوستان و چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے بڑے تمدّن پیدا ہوئے۔ اخلاق کے بڑے بڑے نظریئے قائم کئے گئے۔ تہذیب و شائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے۔ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ملنے جُلنے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے، سونے جاگنے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم و مُسرّت، دعوت و مُلاقات، مصافحہ وسلام، غسل و طہارت، عیادت و تعزیت، تبریک و تہنیّت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم، آداب، شرائط اور ہدایات مرتب ہُوئے اور ان سے ان قوموں کی تہذیب، تمدّن اور معاشرت کے اصول بنائے گئے۔ یہ اصول صدہا سال میں بنے پھر بھی بگڑ گئے۔ صدیوں میں اُن کی تعمیر ہوئی، تاہم وہ فنا ہو گئے۔ لیکن اسلام کا یہ تمدّن چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہُوا اور چودہ سو برس سے کُل روئے زمین کی سینکڑوں مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے اور وہ محمد رسول اللہؐ کی زندگی ہے۔ اس زندگی کے آئینہ میں صحابہؓ نے اپنی زندگیاں سجائیں اور اُن کا عکس تابعین نے اُتارا اور اس طرح وہ تمام دُنیائے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی۔ وہ مقدّس زندگی مرکزی نقطہ تھی، صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا۔ وہ تمدّن آج گو کامل نہیں، مگر اس کے نقش قدم اب بھی ہیں اور اسی پر کُل مُسلمان چل رہے ہیں۔ ایک محمد رسول اللہؐ کی زندگی تھی جو تمام صحابہؓ کی زندگی بن گئی اور وہی کبھی دُنیائے اسلام کی زندگی بن گئی تھی اور وہ کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے۔ افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ جب آج عیسائی ہوتا ہے تو اُس کو مذہب گو انجیل سے لیکن تمدّن و تہذیب اور عملی زندگی

کا سبق یورپ کے ساختہ تمدن سے سکھایا جاتا ہے۔ لیکن وحشی سے وحشی قبیلہ بھی جو مسلمان ہوتا ہے اُس کو جہاں سے مذہب ملتا ہے وہیں سے تمدن و تہذیب اور شائستگی کا سبق بھی ملتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اُس کے سامنے آجاتی ہے اور یہ بولتی چالتی جیتی جاگتی، تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

ایک یہودی نے ایک صحابیؓ سے طنزاً کہا تھا کہ "تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے اور معمولی معمولی باتیں بھی سکھاتا ہے"۔ انہوں نے فخراً کہا کہ "ہاں ہمارا پیغمبر ہم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس نے استنجا اور آبدست کی بھی تعلیم دی ہے"۔ اور آج بھی ہم اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گویا سیرتِ محمدیؐ دُنیا کا آئینہ خانہ ہے۔ جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور و طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے۔ اور اسی لئے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کی اس کو ضرورت ہے۔ سیرتِ محمدیؐ دُنیائے اسلام کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اُس پر کھلتا ہے اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دُنیا کے سامنے موجود نہیں، اس لئے تمام انسانوں کے لئے بھی ایک کامل نمونہ ہے اور ایسی ہی کامل اور بے پردہ زندگی انسانوں کے لئے قابلِ نمونہ ہو سکتی ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خطبہ ۵

جامعیّت

إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

حضرات! خدا کی محبت کا اہل اور اُس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں اُن پر عمل کیا جائے۔ لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسّمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور اس عملی مجسّمہ کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اور اُس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سُنّت۔ کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں اور سُنّت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام علیہ السّلام خدا تعالےٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے یعنی آپؐ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورتِ الفاظ ہے۔ الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیلِ روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سُنّتِ نبویؐ ہے۔

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں۔ اس دُنیا کی بُنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دُنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیسِ جمہور اور حکّام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی۔ امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضرور ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولتمند بھی۔ رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور

دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل وعیال بھی ہیں اور دوست واحباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی، غرض اس دُنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسّمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سُنّتِ نبویؐ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو اِن میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے۔ اسلام کے صرف اسی نظریئے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ کی سیرت میں جامعیت ہے۔ یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے اس کی سیرتِ پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لئے درس اور سبق موجود ہیں۔ ایک حاکم کے لئے محکوم کی زندگی اور ایک محکوم کے لئے حاکم کی زندگی۔ ایک دولت مند کے لئے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لئے دولت مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

اصنافِ انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اُٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں اُتارتے بھی، نہاتے بھی ہیں، دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں، دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں، سکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی، عبادت و دُعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی، ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعالِ جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے وہ افعال ہیں جن کا تعلق دِل د

دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمالِ قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں، کبھی ناراض، کبھی خوش ہیں کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالامال، کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے۔ ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ڈور ہو جو ان ہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے جن پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گزر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب و فراز، بلند و پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی بھی ضرورت ہے مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ ؐ کے پاس۔ حضرت موسےٰؑ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے، مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں۔ انسان کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبرِ اسلامؐ کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ ؐ کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کی مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ

ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ اُحد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم اُستاد اور معلّم ہو تو صفّہ کی درس گاہ کے معلّمِ قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر مواعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سُنو۔ اگر تنہائی و بےکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکّہ کے بے یار و مددگار نبیؐ کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتحِ مکّہ کا نظارہ کرو۔ اگر اپنے کاروبار اور دُنیاوی جد و جہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو۔ اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔ اگر تم جوان ہو تو مکّہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو۔ اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجرِ اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظرِ انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔

اس لئے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نورِ ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی

نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت ہے۔ اس کے سامنے نوحؑ و ابراہیمؑ ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السّلام سب کی سیرتیں موجود ہیں۔ گویا تمام انبیاءِ کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دُنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شئے کے طلبگار کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور داعئِ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم جو "نورِ اسلام" نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے کہ اُس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دُنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں۔ انہوں نے پُوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰؑ کو کیا سمجھتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ محمدؐ کے مقابلہ میں عیسیٰؑ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دانا تے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہُوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبرِ اسلام کو دُنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ مجھ کو اُن کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے۔ بادشاہ ایسا کہ ایک پُورا مُلک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خدا تعالےٰ کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اُونٹوں پر لدے ہُوئے اُس کے دارالحکومت میں آ رہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اُس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اُس پر فاقے سے گُزر جاتے ہوں۔ سپہ سالار ایسا ہو کہ مُٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرقِ آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صُلح پسند ایسا کہ ہزاروں پُرجوش جان نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صُلح کے کاغذ پر بے چُون چرا دستخط کر دیتا ہو۔ شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنِ تنہا کھڑا ہو اور نرم دل ایسا کہ کبھی اُس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی

اس کو فکر، بیوی بچّوں کی اُس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اُس کو فکر، خدا کی بھولی ہوئی دُنیا کے سدھار کی اس کو فکر۔ غرض سارے سنسار کی اُس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خُدا کے سِوا کسی اور کی یاد اُس کو نہ ہو اور اس کے سِوا ہر چیز اُس کو فراموش ہو، اُس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دُعائے خیر کی اور اُن کا بھلا چاہا۔ لیکن خدا تعالےٰ کے دشمنوں کو اُس نے کبھی مُعاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنّم کی دھمکی دیتا اور عذابِ الٰہی سے ڈراتا رہا۔ عین اُس وقت جب اُس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صُورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ عین اس وقت جب اُس پر کشور کشا فاتح کا شُبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ عین اُس وقت جب ہم اس کو شاہِ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔ عین اُس دن جب عرب کے اطراف سے آ آکر اس کے صحنِ مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اُس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مُسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں۔ فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں جو چکّی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے۔ عین اس وقت جب آدھا عرب اُس کے زیرِ نگین ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حاضر دربار ہوتے ہیں۔ اِدھر اُدھر نظر اُٹھا کر کاشانۂ نبوّت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں۔ آپؐ ایک کھری چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔

ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خُشک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے گھر کی یہ کُل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں۔ سبب دریافت ہوتا ہے۔ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہو گا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپؐ پیغمبر

ہو کر اس حالت میں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے، عمرؓ! کیا تم اسی پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دُنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابوسفیانؓ جو آنحضرتؐ کے سب سے بڑے حریف تھے، فتح مکّہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آرہا ہے۔ قبائلِ عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکہ کھاتی ہیں، وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا تو بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ حضرت عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ فرمایا۔ ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔

عدی بن حاتم قبیلۂ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضورؐ کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر اُن کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمدؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعتاً مدینہ کی ایک غریب لونڈی آکر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضورؐ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سُن سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اُس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ اس ظاہری جاہ و جلال کے پردے میں یہ عجز، یہ انکساری اور تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ فوراً گلے سے صلیب اُتار دیتے ہیں اور محمدؐ رسول اللہ کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔

غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا وہ محض شاعرانہ انشاء پردازی نہیں بلکہ تاریخی واقعات ہیں۔ ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنفِ انسانی کے لئے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام

دے، جو غیظ و غضب اور رحم و کرم، جود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی و رقیق القلبی، خانہ داری اور خدادانی، دُنیا اور دین دونوں کے لئے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے۔ جو دُنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دُنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے۔ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دُنیا میں صرف عفو و درگذر، معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں، بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں۔ اس لئے جس ہستی میں صرف یہی ایک پہلو ہو وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور مُحسن ہے لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں، ایک انسان میں دیکھو تو غصّہ اور کرم، محبّت و عداوت، خواہش اور قناعت، انتقام اور عفو، ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں، اس لئے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو انسانیت کے ان تمام قوی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے اُن کے صحیح مصرف کو متعیّن کر دے۔

جن مذہبوں کو یہ دعوے ہے کہ اُن کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف رحم و کرم اور عفو درگذر پر مبنی ہیں، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کتنے دن ان سیرتوں کے مطابق عمل کر سکے؟ قسطنطین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب میں کتنے صاحبِ تاج و تخت پیدا ہوئے اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں۔ مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا، پھر ایسی سیرت جو عملی دُنیا میں ہر حیثیت سے اپنے پیروؤں کے لئے نمونہ نہ ہو وہ کیونکر جامع کہی جا سکتی ہے؟

حضرت نوحؑ کی زندگی کُفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی حیات بُت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کُفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔ حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت اور انابت اور اعتراف کی مثال ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوتِ حق اور جوشِ تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و بکا، حمد و ستائش اور دُعا و زاری کا صحیفہ ہے حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلعم کی سیرتِ مقدسہ کو دیکھو کہ اُس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر اس میں سما گئی ہیں۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ "محمدؐ کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دُنیا اُن کے نام و نشان کو پہچان لے۔ جن و انس، چرند و پرند، بلکہ ہر جان دار کے سامنے اُن کو لے جاؤ۔ ان کو آدمؑ کا خُلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی طاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاکدامنی اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔"

جن علماء نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، ان کا منشاء درحقیقت یہی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفتِ جامعیت کو نمایاں کریں کہ جو کچھ اور انبیائے علیہم السلام کو متفرق طور سے ملا ہے، وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو عنایت ہُوا۔

آنحضرتؐ کو آپؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو، یہ جامعیت کی صفتِ کاملہ پُورے طور پر نمایاں ہو جائے گی۔ مکہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو

توکیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے۔ کوہِ حرا کے غار نشین اور کوہِ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں کُھلی تھیں اور آنحضرتؐ کی بند۔ حضرت موسیٰؑ باہر دیکھ رہے تھے اور آنحضرتؐ اندر۔ کوہِ زیتون پر واعظ کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ) اور کوہِ صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش! کہہ کر پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے۔ بدر و حنین اور احزاب و تبوک والے سپہ سالار اور مو ابیوں اور عمونیوں اور اموریوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسیٰؑ) میں کس قدر مماثلت ہے۔

آنحضرتؐ نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بد دعا کی تو آپؐ کی زندگی حضرت موسےٰؑ کے مثل تھی، جب اُنھوں نے ان فرعونیوں پر بد دعا کی جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے اور جب آپؐ نے اُحد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی تو اس وقت گویا آپؐ حضرت عیسیٰؑ کے قالب میں تھے، جنھوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی بُرا نہیں چاہا۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم مسجد نبویؐ کی عدالت گاہ اور پنچایتوں میں یا غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسےٰؑ کی سیرت کا نقشہ کھنچ جائے گا۔ لیکن جب آپؐ کو مکانوں کے حجروں میں، پہاڑوں کے غاروں میں، رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰؑ کا جلوہ نظر آئے گا، شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں آپؐ کی زبانِ مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤدؑ کا تم کو دھوکہ ہو گا۔ فتح مکہ کے خدم و حشم اور بیرق و علم کے سایہ میں آپؐ کو دیکھو تو تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمانؑ کا مغالطہ ہو گا۔ اگر شعب ابی طالب میں آپؐ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکے تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسف علیہ السلام کا جلوہ دکھائی دے گا۔ غرض ؎

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسےٰؑ یدِ بیضا داری !
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے۔ حضرت داؤدؑ دُعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰؑ زہد واخلاق لے کر، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے۔ دُعا و مناجات بھی اور زہد و اخلاق بھی۔ ان سب کا مجموعہ الفاظ و معانی ہیں قرآن اور عمل میں سیرت محمدیؐ ہے۔

دوستو! اب سیرت محمدیؐ کی جامعیت کا ایک اور پہلو تم کو دکھاؤں۔ دُنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں۔ ایک وہ جہاں صرف ایک فن سکھایا جاتا ہے اور ہر فن کے لئے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں۔ جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے، کوئی انجینئرنگ کالج ہے ایک آرٹ سکول ہے، ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درس گاہ ہے، ایک فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے۔ ان میں سے ہر مدرسہ اور ہر تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے۔

میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے۔ زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہر پیدا ہوں گے۔ قانون کے مدرسے صرف قانون دان تیار ہوں گے۔ تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے۔ علم و فن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہلِ علم اور اہلِ فن اُٹھیں گے۔ لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشاء پرداز اور ادیب نکلیں گے۔ ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں۔ ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا ہے اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی۔ زراعت اور انجینئرنگ کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی۔ طلبہ مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق، مناسبتِ طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون دان، کاروبار کے تاجر اور مہندس، شفاخانوں کے حکیم اور ڈاکٹر، پیشوں اور صنعتوں کے واقفکار اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ صرف ایک ہی تعلیم، ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی، بلکہ ان سب کے مجموعہ سے وہ کمال کو پہنچتی ہے اور پہنچ سکتی ہے۔ اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے۔ اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر تمام دنیا صرف زہد پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں؛ بقول حضرت مسیحؑ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، درس گاہیں اپنے معنوی فرزندوں اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں تعلیم انسانی کی اُن درس گاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں جائزہ لو تو پہلے تو کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دوسو، کہیں ہزار دو ہزار، کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے۔ لیکن جب مدرسۂ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھو گے تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم بیک وقت نظر آئیں گے۔ پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلباء کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں گئے تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اور اُن کے اخلاق و عادات، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور اُن کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو تم کو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کی درس گاہ میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے ہر ایک طالب علم کا نام و نشان، حالات و سوانح، نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے۔

آگے بڑھو! نبوت اور دعوتِ مذہب کی ہر ایک درس گاہ کا آج یہ دعویٰ ہے کہ اُس کے دروازے ہر قوم کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ مگر اس درس گاہ کے بانی اور معلمِ اوّل کی سیرت پڑھو کہ کیا اُس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان کے طالب علم اس میں داخل ہوئے اور اُن کو داخلہ کی اجازت دی گئی۔ یا اُن کی دعوت میں یہ عموم، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسلِ آدمؑ کا ہر ایک فرزند

اور ارضِ خاکی کا ہر ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اس کو داخل ہونے کے لئے آواز دی گئی؟ توراۃ کے تمام انبیاءؑ، ملکِ عراق یا ملک شام یا ملکِ مصر سے آگے نہیں بڑھے، یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے محدود رہے اور اپنی نسل و قوم کے سوا غیروں کو انہوں نے آواز نہیں دی۔ زیادہ تر اُن کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا۔ عرب کے قدیم انبیاءؑ بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے وہ باہر نہیں گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مکتب میں کبھی غیر اسرائیلی طالب علم کا وجود نہ تھا۔ وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں تھے (متی باب آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے (انجیل)۔ ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے۔ اگرچہ بدھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا۔ مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیروؤں کا فعل تھا۔ خود داعیٔ مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آؤ! ذرا عرب کے اس اُمی معلم کی درس گاہ کا مطالعہ کریں کہ یہ کون طالب علم ہیں؟ یہ ابوبکر و عمر، علی و عثمان، طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قریشی طالب علم ہیں۔ یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ اور انیسؓ ہیں۔ یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہؓ ہیں، قبیلۂ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خبابؓ ابن الارت قبیلۂ تمیم کے ہیں۔ یہ منقذؓ بن حبان اور منذرؓ بن عائذ ہیں، عبدالقیس کے قبیلہ کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبیدؓ و جعفرؓ عمان کے رئیس ہیں۔ یہ فروہؓ ہیں، یہ معانؓ یعنی حدودِ شام کے رہنے والے ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلالؓ ہیں، ملکِ حبش والے، یہ کون ہیں؟ یہ صہیبؓ رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمانؓ فارسی ہیں۔ یہ فیروز دیلمیؓ ہیں، یہ سیخبتؓ

اور مرکبوذ ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح سنہ ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا رہے۔ یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں اس دل خواہ کامیابی کے بعد پیغمبرِ اسلام علیہ السّلام نے کیا کیا؟ اسی سال سنہ ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور اُن کو خدا تعالےٰ کا پیغام پہنچایا۔ دحیہ کلبیؓ ہرقل قیصرِ روم کی بارگاہ میں، عبداللہ ابن حذافہ سہمیؓ، خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کے دربار میں، حاطبؓ بن بلتعہ مقوقس عزیزِ مصر کے یہاں، عمروؓ بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاعؓ بن وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیطؓ بن عمروؓ دوسرے رئیسِ یمامہ کے درباروں میں پیغمبرِ اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمد صلعم کی درسگاہ میں داخلہ کا اذنِ عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درسگاہِ محمدیؐ کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا بلکہ وہ دُنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اب آؤ! اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں۔ کیا وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے، جہاں ذوق، مناسبتِ طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی تعلیم گاہ کو دیکھو وہاں صرف فوج کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدے دار پائے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے طالب علموں کو تلاش کرو، چند زہد پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ہاں کیا نظر آئے گا؟ ایک طرف اصحمہؓ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس ذوالکلاعؓ، حمیر کا رئیس عامر بن شہر، قبیلۂ ہمدان کا رئیس فیروز دیلمیؓ اور مرکبوذؓ، یمن

کے رئیس، عبید وجعفر عمان کے رئیس دوسری طرف بلالؓ، یاسرؓ، صہیبؓ، خبابؓ، عمارؓ اور ابوفکیہہؓ کے سے غلام اور سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے دیکھو، امیر وغریب، شاہ وگدا، آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روزگار، اسرارِ فطرت کے محرم، دُنیا کے جہانبان اور مُلکوں کے فرماں روا اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں۔ ابوبکرؓ صدیق ہیں، عمرؓ فاروق ہیں، عثمان غنیؓ ہیں، علی مرتضیٰؓ ہیں، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں، جنہوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جو دُنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم ونسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے۔ اُن کے عدل وانصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دُنیا کی سیاسی وانتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہؓ بن جراحؓ، عمرو ابن العاصؓ پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق ومغرب کی دو ظالم وگناہ گار اور انسانیت کے لئے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع اُلٹ دیتے ہیں اور دُنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالارِ اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دُنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ سعدؓ نے عراق وایران کا تاجِ شہنشاہی اُتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ خالدؓ اور ابوعبیدہؓ نے رُومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مُسلمانوں کے سپرد کر دی۔ عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین وادیٔ نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن ابی سرحؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا۔ یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانے نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے اُن کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذانؓ بن ساسان (یمن)، خالدؓ بن سعید (صنعاء)، مہاجرؓ بن امیہ (کندہ)، زیادؓ بن لبید (حضرموت)، عمروؓ بن حزم (نجران)، یزیدؓ بن ابی سفیان (تیماء) اور

علاؤ بن حضرمیؓ (بحرین) وغیرہ بیسیوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلقِ خدا کو آرام پہنچایا۔ چوتھی طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے۔ عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عمرو بن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زیدؓ بن ثابت، ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں، جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقنّنین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔ پانچویں صف عام اربابِ روایت و تاریخ کی ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سینکڑوں صحابہؓ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔

ایک چھوٹی جماعت اُن ستّر صحابہ (اہلِ صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لیے مسجدِ نبویؐ کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دُنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اُن کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ خدا تعالےٰ کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے۔

ساتواں رُخ دیکھو! ابوذرؓ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے اُن سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اُن کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لئے اُٹھا رکھنا بھی شانِ توکّل کے خلاف تھا۔ اُن کو دربارِ رسالت نے "مسیح الاسلام" کا خطاب عنایت کیا تھا۔ سلمان فارسیؓ ہیں جو زُہد و تقویٰ کی تصویر ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گزارے اور جب اُن کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم و حریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لئے پورا کپڑا ایک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔ عثمان بن مظعونؓ ہیں، جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں۔ محمد بن سلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانے میں

کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حجرے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اُس پر وار نہ کروں گا۔ ابو ذرؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔

ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے۔ اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن معاذؓ ہیں، سعد بن عبادہؓ ہیں، اسیدؓ بن حضیر ہیں، اسعد بن زرارہؓ ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ کاروباری دُنیا میں دیکھو تو مکّہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشت کار اور کسان بھی ہیں، اور عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دولتمند بھی ہیں۔

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کئے گئے، سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ، ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں۔ حضرت یاسرؓ کفّار کے ہاتھ سے اذیت اُٹھاتے اُٹھاتے مر گئے۔ حضرت خبیبؓ نے سُولی پر جان دے دی۔ حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی۔ حرامؓ بن ملحان اور اُن کے اُنہتر ۶۹ رفقاءؓ نے بیرِ معونہ پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جامِ شہادت پیا۔ واقعۂ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور اُن کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے۔ ۷ھ میں ابن ابی العوجاءؓ کے ۴۹ ساتھی قبیلۂ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت کعب بن عمر غفاریؓ مع اپنے ساتھیوں کے ذاتِ اطلاح کے میدان میں شہید ہوئے۔ دُنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سُولی پر ناز ہے۔ لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سُولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سُولی کی لکڑی، بہر حال یہ ایک آنی تکلیف ہے، اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں، جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر

آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا، جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور جب پُوچھا گیا تو وہی محمّد کا کلمہ اُن کی زبانوں پر تھا، شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتّے کھا کھا کر زندگی بسر کی۔ یعنی سعد بن ابی وقاصؓ، وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بُھوک کی شدّت سے ایک سُوکھا چمڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بُھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا۔ عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ہم سات مُسلمان تھے۔ ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے مُنہ زخمی ہو گئے۔ خبابؓ جب اسلام لائے تو کافروں نے اُن کو دہکتے ہُوئے کوئلوں پر لٹایا۔ یہاں تک کہ یہ دہکتے ہُوئے کوئلے اُن ہی کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔

بلالؓ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، اُن کے گلے میں رسّی باندھی جاتی اور گلی گلی اُن کو گھسیٹا جاتا۔ ابو فکیہہؓ کو ان کے پاؤں میں رسّی باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا، اُن کا گلا دبایا گیا۔ اُن کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی۔ عمارؓ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے۔ حضرت زبیرؓ کو اُن کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا۔ سعید بن زیدؓ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے۔ حضرت عثمانؓ کو اُن کے چچا نے رسّی میں باندھ کر مارا۔ یہ سب کُچھ تھا، مگر جو نشہ چڑھ چُکا تھا وہ اُترنا نہ تھا؟ یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقیٔ کوثرؐ کے خمخانہ جاوید کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بُت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک امّی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل روشن دل، روشن دماغ اور مقنن کیونکر بنا گئی؟ ایک ہنتے پیغمبر کا ولولۂ تبلیغ، کسمپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا؟ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور اطاعت گزار کیونکر ہو گئے۔ تم نے درس گاہِ محمّدی یا مدینہ یونیورسٹی کی پُوری سیر کر لی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی

عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ کی ذات، انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضیٰؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں۔ کبھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفرؓ طیار ہو کر سامنے آتی تھیں۔ کبھی ابنِ عمرؓ اور ابو ذرؓ اور سلمانؓ اور ابو دردؓا ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں۔ کبھی ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم و فن کی درس گاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کی امتحان گاہوں میں تسلّی کی رُوح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں۔ گویا محمدؐ رسول اللہ کا وجودِ مبارک آفتابِ عالمتاب تھا جس سے اُونچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابرِ باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اُگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلافِ استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی۔ وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک رُوح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، اُستاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رَو، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا تعالےٰ کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں،

یہ فیضانِ حق سب میں یکساں اور برابر تھا۔ راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا۔ مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبیلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دُنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا تعالیٰ کے نام کی اُونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز اُن کے پیشِ نظر نہ تھی۔

دوستو! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں۔ اگر تم مطالعۂ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دُنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے۔ تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر راہنما نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اعلان فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط "اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے، تو آؤ میری پیروی کرو۔" اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم سپہ سالار ہو یا سپاہی ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم اُستاد اور معلّم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر بے کس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم خدا تعالےٰ کے عابد ہو تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ط

چھٹا خطبہ ۶

عملی پہلو یا عملیّت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی چاہیئے، اس کے لئے آج ہم کو سیرتِ نبویؐ علیٰ صاحبہا السّلام کا عملی پہلو دکھانا ہے۔ یہ انبیاءِ کرامؑ اور بانیانِ مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمدؐ رسول اللہ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے؟ مفید نصیحتوں اور میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دُنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ۔ دلچسپ تھیوریاں ملیں گی، دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

انسان کی عملی سیرت کا نام خُلق (اخلاق) ہے۔ قرآن حکیم کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کُھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و

دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا :-

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ - (قلم ۱)

"(اے محمدؐ) بیشک تیری مزدوری نہ ختم ہونیوالی ہے بیشک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔"

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں، یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑہ میں آپؐ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے ٹکڑے میں آپؐ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی آپؐ کے اعمال اور آپؐ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں؛ کہ آپؐ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا مکہ کا اُمّی معلمؐ پکار کر کہتا تھا :-

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف) "کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں۔"

اور اس اعلان کا اُس کو حق تھا، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا تھا اُس کو کہہ کے دکھا دیتا تھا، کوہِ زیتون کے واعظ (حضرت عیسٰی مسیحؑ) اور کوہِ صفا کے مبلّغ (حضرت محمد رسول اللہؐ) ان دونوں کی سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو تو تم کو معلوم ہو گا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے تو دوسرے کی سرتاپا معمور۔ قوت پاکر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے۔ لیکن کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی۔ ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں، لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ بُرائی نہیں کی؟ لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا، لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا، لیکن دُوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دُنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور ان ہی کا نام عمل ہے۔ قرآن پاک گواہی دیتا ہے :-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ -

(اٰلِ عمران : ۱۷)

"پس خدا کی عنایت سے تم اُن کے لئے نرم ہو، (اے محمدؐ!) اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے اردگرد سے بھٹ جاتے"

یہ آنحضرتؐ کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے جو دعوے اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے کہ اگر آپؐ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر، بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپؐ کے گرد جمع نہ ہوتے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے :-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ،

(توبہ ۱۶)

"تمہارے پاس تم میں سے ایک پیغمبر آیا، جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"

اس آیتِ پاک میں اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ترجمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے، جو تمام بنی نوع انسان اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے۔ چنانچہ فرمایا "اے لوگو! تمہارا تکلیف و مصیبت اُٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جہالت و گناہ گاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے۔ بنی نوعِ انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں وہ اُن کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیتِ پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے - یہ آپؐ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآنِ پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے جو تعلیمات انسانوں

کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ ہے۔ بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارک درحقیقت قرآنِ پاک کی عملی تفسیر ہے۔ جو حکم آپؐ پر اُتارا گیا آپؐ نے خود اُس کو کرکے بتایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم استقلال، صبر، شکر۔ ان کے علاوہ اور حسنِ عمل و حسنِ خلق کی باتیں جس قدر آپؐ نے فرمائیں اُن کے لئے سب سے پہلے آپؐ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسّم ہو کر آپؐ کی زندگی میں نظر آیا۔

چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا ام المؤمنین! حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ ام المؤمنینؓ جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کان خلق رسول اللہ صلعم القرآن۔ آپؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا (ابوداؤد) قرآنِ پاک الفاظ و عبارت ہے اور حضرت محمدؐ رسول اللہ کی سیرت اس کی عملی تفسیر۔

انسان کے اخلاق، عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہوسکتا۔ آنحضرتؐ نے جب نبوّت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے پندرہ برس ہوچکے تھے اور یہ مدت اتنی بڑی ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقے سے اچھی طرح واقف ہوسکتا ہے۔ اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپؐ کی زبان سے اپنی نبوّت کی خبر نکلتی ہے اور اُدھر حضرت خدیجہؓ کا دل اُس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرتؐ جب نبوّت کے بارِ گراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں کہ یا رسول اللہ! خدا آپؐ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ آپؐ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں، مصیبتوں میں آپؐ لوگوں کے کام آتے ہیں۔" (بخاری) غور کیجئے! یہ آپؐ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوّت سے پہلے آپؐ میں موجود تھیں۔

آنحضرتؐ کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں۔ حضرت عائشہؓ نو برس مستقل آپؐ کی صحبت میں رہیں۔ وہ گواہی دیتی ہیں

کہ حضورؐ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی، آپؐ بُرائی کے بدلہ میں بُرائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے، آپؐ گناہ کی بات سے کوسوں دُور رہتے تھے آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا، آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپؐ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے تھے، وہ گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی بُرا کلمہ کبھی مُنہ سے نہیں نکالتے تھے اور لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے۔ نہ اُس کو صاف جواب دے کر مایوس کرتے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے۔ واقف کار اس اندازِ خاص سے سمجھ جاتے کہ آپؐ کا منشا کیا ہے؟ یہ اس لئے تھا کہ آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہ کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے کہ آپؐ رؤف و رحیم تھے۔"

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ "آپؐ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے۔ لوگ آپؐ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے۔ آپؐ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا۔ لیکن جیسے جیسے وہ آپؐ سے ملتا جلتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔" (شمائل ترمذی)

آپؐ کی سیرت پڑھ کر بعینہٖ یہی خیال انگلینڈ کے سب سے مشہور مورخ گبنؔ نے ظاہر کئے۔

آنحضرتؐ کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہندؓ جو گویا آپؐ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دُکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات

نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے اس کو برا نہ کہتے۔ آپؐ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصّہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا تو حق کی طرفداری میں آپؐ کو غصّہ آجاتا تھا اور اس حق کی آپؐ پوری حمایت فرماتے تھے۔" (شمائل)

یہ آپؐ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپؐ سے بہت نزدیک اور آپؐ سے بہت زیادہ واقف تھے۔ اس سے یہ معلوم ہو گا کہ آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی ؟

آپؐ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اُس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

آپؐ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی۔ صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہُوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپؐ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپؐ کا دل خدا تعالیٰ کی یاد سے اور آپؐ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد زبانِ مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصّہ ان ہی مبارک کلمات اور دُعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپؐ کی زبانِ فیض اثر سے ادا ہُوئیں۔ حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دُعاؤں کا مجموعہ ہے جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہے اور جن سے ہر وقت زبانِ اقدس تر رہتی تھی۔ قرآن مجید نے اپنے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے :۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ ۔

"جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں۔"

یہی آپؐ کی زندگی کا نقشہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں، آپؐ ہر وقت اور

ہر لمحہ خُدا تعالےٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

آپؐ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپؐ کا حال کیا تھا؟ عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپؐ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ طلوعِ آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء، پھر تہجد، پھر صُبح۔ عام مسلمانوں پر تو صُبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں۔ گویا کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں، مگر آنحضرتؐ ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے، پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجّد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی۔ مگر آنحضرتؐ اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے۔ کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے، پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے "اے عائشہؓ! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں" یعنی یہ نماز خشیتِ الہٰی سے نہیں ہے، بلکہ محبتِ الہٰی اس کا منشا ہے، رکوع میں اتنی دیر جُھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپؐ سجدہ کرنا بھول گئے۔

نبوت کے آغاز ہی سے آپؐ نماز پڑھتے تھے، کفار آپؐ کے سخت دُشمن تھے، مگر بایں ہمہ علین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ نماز کی حالت میں دُشمنوں نے آپؐ پر حملہ کیا، مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے۔ سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و خنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور اُدھر صفیں درست ہو گئیں۔ بدر کے معرکہ میں تمام مُسلمان دُشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذاتِ اقدسؐ خدا کے آگے سجدہ میں جُھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوئی۔ ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صُبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپؐ نے بعد کو نمازِ قضاء ادا کی۔ اس سے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا، بہت تکلیف

تھی، مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، قوت جواب دے چکی تھی، مگر دو صحابیوں کے کندھوں پر سہارا لے کر مسجد تشریف لائے۔ وفات سے تین دن پہلے جب آپؐ نے اُٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی۔ اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی۔

یہ تھا خدا کی عبادت گزاری اور یاد کا عملی نمونہ!

آپؐ نے روزے کا حکم دیا۔ عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپؐ کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں جب آپؐ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر خود آپؐ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو، تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پئے بغیر مسلسل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصے میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے "تم میں سے کون میرے مانند ہے، مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے۔" سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان پورے کے پورے روزے میں گزرتے تھے۔ ہر مہینہ کے ایامِ بیض (۱۳-۱۴-۱۵) میں اکثر روزے رکھتے۔ محرم کے دس دن اور شوال کے چھ دن روزوں میں گزرتے۔ ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔

یہ تھا روزوں کے متعلق آپؐ کا عملی نقشۂ زندگی۔

آپؐ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! آپؐ قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔" گو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ ہی دولت مندوں پر بند کیا بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو، وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔ مگر خود آپؐ

کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا بلکہ وہی فقر و فاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواجِ مطہرات رضؓ کو غلّہ تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلّہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلّہ کا بڑا حصّہ اہلِ حاجت کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے۔ تمام عمر کسی کے سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔ کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی مگر آپؐ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔ لوگوں کو عام حکم تھا کہ "جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اُس کا قرض ادا کروں گا۔" اور اگر اُس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اُس کے حقدار اُس کے وارث ہوں گے۔" ایک دفعہ ایک بدّو نے آکر کہا اے محمّد! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے، میرے اُونٹ کو لاد دے۔" آپؐ نے اُس کے اُونٹ کو جَو اور کھجوروں سے لدوا دیا اور اُس کے کہنے کا بُرا نہ مانا۔ خود فرمایا کرتے "اِنَّمَا انا قاسم و خازن و اللہ یعطی" "میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں، اصل دینے والا تو خدا ہے۔" حضرت ابو ذر رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپؐ کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہا تھا۔ راہ میں آپؐ نے فرمایا "ابو ذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔

دوستو! یہ محمّد رسول اللہ کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپؐ کے عزمِ صادق کا اظہار تھا اور اسی پر آپؐ کا عمل تھا۔ بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا، فرمایا کہ صحنِ مسجد میں ڈال دیا جائے، صبح کی نماز کے لئے آپؐ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپؐ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز کے بعد

ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب سب ختم ہوگیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو دامنِ مبارک پر پڑ گیا تھا۔

ایک دفعہ فدک سے چار اُونٹوں پر غلّہ لد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا، حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ بچ تو نہیں رہا۔ عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں، اس لئے کچھ بچ رہا ہے، فرمایا جب تک دُنیا کا یہ مال باقی ہے مَیں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صُبح کو حضرت بلالؓ نے آکر بشارت دی کہ "یارسول اللہ! خُدا نے آپؐ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا"۔ آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلافِ معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آ گئے۔ لوگوں کو تعجب ہُوا۔ فرمایا "مُجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ خیال ہُوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ محمدؐ کے گھر میں پڑا رہ جائے۔ اِمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے۔ مَیں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا۔ ام سلمہؓ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپؐ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے، نہایت ہی بے چینی ہے۔ لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ "انہیں خیرات کر دو، کیا محمدؐ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں"۔

یہ بھی اس باب میں آپؐ کی زندگی کی عملی مثال۔

آپؐ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپؐ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ سُن چکے ہو کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیرِ عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ حضورؐ اس دُنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپؐ کو کھانا نصیب نہ ہُوا۔ وہی بیان کرتی ہیں کہ

جب آپؐ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لئے تھوڑے سے جَو کے سوا کچھ موجود نہ تھا اور چند سیر جَو کے بدلہ میں آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ "فرزندِ آدمؑ کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔" (ترمذی) یہ محض الفاظ کی خوشنما بندش نہ تھی، بلکہ یہی آپؐ کی طرزِ زندگی کا عملی نقشہ تھا رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا یعنی جو بدنِ مبارک پر کپڑا ہوتا تھا اُس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔ ایک دفعہ ایک سائل خدمتِ اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپؐ نے ازواجِ مطہراتؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں۔ ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ "گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔" ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہؐ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آپؐ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ اُن پر ایک پتھر بندھا ہے۔ آپؐ نے شکمِ مبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے تھے، یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آجاتی تھی۔ ایک دن دولت خانے سے نکلے تو بھوکے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپؐ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہؓ کو بھجوا دو، کئی دن سے اُس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔

آپؐ کو اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین علیہما السلام سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عرب نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا "اے فاطمہ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی

ہو کہ محمد کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اُتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے تو اُتروا دیئے کہ محمدؐ کی بیوی کو یہ زیبا نہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کے لئے دُنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زادِ راہ"! یہ قول تھا، اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ جان نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہؐ! ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا، مجھ کو دُنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دُنیا سے اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ۹ھ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی آپؐ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسمِ مبارک پر ایک تہبند، ایک کھری چارپائی، سرہانے ایک تکیہ جس میں خُرمے کی چھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جَو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے۔

یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اُس پر آپؐ کا عمل۔

دوستو! ایثار کا واعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا، مگر کیا کسی ایثار کے واعظ کہنے والے کے صحیفۂ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے۔ اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی۔ آپؐ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی اُن کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے، مگر انہی حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے۔ ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدرِ بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا "اے فاطمہؓ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو۔" دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا "فاطمہؓ! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔" ایک دفعہ آپؐ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیہؓ نے لاکر پیش کی۔ اسی وقت ایک

صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے! آپؐ نے فوراً اُتار کر اُن کی نذر کر دی۔

ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی، مگر کوئی سامان نہ تھا۔ اُن سے کہا کہ عائشہؓ کے پاس جاکر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جاکر لے آئے، حالانکہ آپؐ کے گھر میں آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک دن صفہ کے غریبوں کو لیکر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ۔ چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ ہوا، کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ پھر پیالہ میں دودھ آیا مگر یہی سامانِ مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔

یہ تھا ایثار اور اُس پر عمل۔

خُدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمدؐ رسول اللہ میں دیکھو۔ حکم تھا کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر واستقلال دکھایا تو بھی دکھا۔ آپؐ نے وہی کرکے دکھا دیا۔ آپؐ ایک ایسی جاہل اور اَن پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سُن سکتی تھی اور اس کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپؐ نے اُس کی کبھی پرواہ نہ کی۔ عین حرم میں جاکر توحید کی آواز بلند کرتے تھے اور وہاں سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے۔ حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپؐ اُن کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع وسجود کرتے تھے۔ جب آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (اے محمدؐ! جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو علی الاعلان سُنا دو) نازل ہوئی تو آپؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو پکارا اور خدائے برحق کا حکم پہنچایا۔

قریش نے آپؐ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں، جسم مبارک پر صحنِ حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی، راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپؐ کے قدم کو راہِ حق سے لغزش نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ ابوطالب نے جب حمایت سے ہاتھ اُٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپؐ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب

بھی رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔" آخر آپؐ کو بنی ہاشم کے پہاڑی درہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا۔ آپؐ کا اور آپؐ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا، اندر غلّہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ جوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر آپؐ کے قتل کی سازش ہوئی، یہ سب کچھ ہوا مگر صبر و استقلال کا سر رشتہ آپؐ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پناہ لیتے ہیں، کفار آپؐ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

بے یار و مددگار نہتے محمدؐ اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے" ابو بکرؓ گھبرا اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے۔ ابو بکر! ہم دو نہیں تین ہیں لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، گھبراؤ نہیں ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔" اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرتؐ کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جعشم نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؐ کے پاس پہنچ جاتا ہے، حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں، یا رسولؐ اللہ! ہم پکڑ لئے گئے مگر وہاں محمدؐ رسول اللہ کے لب مبارک بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں اور دل کی سکنیت کا وہی عالم ہے۔

مدینہ پہنچ کر یہود کا، منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا۔ لوگ آنحضرتؐ کے مسکن کی راتوں کو پہرہ دیتے تھے کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔" اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگو! واپس جاؤ، مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ہے۔

غزوۂ نجد سے واپسی میں آپؐ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں، صحابہ رضؓ ادھر اُدھر ہٹ گئے ہیں۔ ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے، آپؐ بیدار ہوتے ہیں، موقع کی نزاکت کو دیکھ کر بدو پوچھتا ہے۔ بتاؤ اے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے کہ اللہ! اس پُر اثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے۔

بدر کا معرکہ ہے، تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں۔ مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کہاں ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہے۔ کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھتے ہیں کہ خداوندا! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحۂ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دُنیا میں باقی نہ رہے گا۔

ایسے موقعے بھی آئے ہیں کہ مُسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ گئے، مگر خدا تعالےٰ کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پُورا بھروسہ رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اُحد میں اکثر مُسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹا لئے مگر محمدؐ رسول اللہ اپنی جگہ پر تھے۔ پتھر کھائے، تیروں، تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں دھنس گئی تھیں، دندانِ مبارک شہید ہو چکا تھا، چہرۂ اقدس زخمی ہو رہا تھا، مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ خدا تعالےٰ ہی کی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد رہا، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پُورا یقین تھا۔ حنینؔ کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہ برسا تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔ مگر ذاتِ اقدسؐ اپنی جگہ پر تھی۔ اُدھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور اِدھر سے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب (مَیں پیغمبر ہوں جھوٹ نہیں ہے، مَیں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اُتر آئے اور فرمایا میں خُدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور پھر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

عزیزو! تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو، کتنی ہی غیر مسلّح ہو وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے تلوار اُٹھاتا ہے، بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلّح ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلّح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔

یہ تھی اس راہ میں آپؐ کی عملی مثال!

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سُنا ہوگا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو دکھاؤں، مکّہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بے کسی اور معذوری عفو و درگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے۔ ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا سر قلم کر کے لائے گا اُس کو سو اُونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپؐ کے تعاقب میں گھوڑا ڈالتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں، حضورؐ دُعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے۔ ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو۔ نفسی یعنی سائیکولاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے۔ حضورؐ کو آواز دیتا ہے اور خطِ امان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضورؐ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو۔ آپؐ یہ امان نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرتے ہیں۔ فتح مکّہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے تاہم آپؐ اُس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اُس دن کے جُرم کی اب کیا سزا ہو؟

ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، احدّ، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تہِ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرورِ عالمؐ کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکّہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپؐ کے سامنے آتا ہے تو گو اس کا ہر جُرم اُس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ مگر رحمتِ عالم کا عفوِ عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، محمدؐ رسول اللہ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں۔ پھر حضورؐ نہ صرف اُس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان اٰمنا "جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اُس کو بھی امن ہے"۔

ہندؔ ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احدؔ کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضورؐ کے سب سے محبوب چچا اور

اسلام کے ہیرو حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے۔ ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے۔ ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے۔ کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضورؐ پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا۔ عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے "اے محمد! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔"

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی۔ لوگ کہتے ہیں وحشی! تم نے ابھی محمدؐ کو پہچانا نہیں۔ تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر دوسری کوئی جائے امن نہیں ہے، وحشی حاضر ہو جاتا ہے۔ حضورؐ دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں۔ پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں قاتل سامنے موجود ہوتا ہے، مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔"

عکرمہؓ، اسلام، مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے، جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے۔ مکہ جب فتح ہوا تو اُن کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، اُن کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں اور محمدؐ رسول اللہ کو پہچان چکی تھیں، وہ خود یمن گئیں۔ عکرمہؓ کو تسکین دی اور اُن کو لے کر مدینہ آئیں۔ حضورؐ کو اُن کی آمد کی خبر ہوتی ہے تو اُن کے خیر مقدم کے لئے اس تیزی سے اُٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی۔ پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں: مرحبا بالراکب المہاجر۔ "اے مہاجر سوار! تمہارا آنا مبارک! غور کرو! یہ مبارکباد کس کو دی جارہی ہے؟ یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطاء

ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپؐ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپؐ کے جسمِ مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالتِ نماز آپؐ پر حملہ کرنا چاہا۔ جس نے آپؐ کے گلے میں چادر ڈال کر آپؐ کو پھانسی دینی چاہی۔ جس نے دار الندوہ میں آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا آج اسی کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے۔ مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر سید ھادرِ دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر مجھے حضورؐ کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپؐ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں۔ اتنا سنتے ہی آپؐ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپؐ کا کام تمام کر دے کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ آپؐ کے پاس لایا جاتا ہے اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے۔

صفوان بن امیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپؐ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے۔ وہی عمیر خدمتِ نبوی میں آکر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے۔ ارشاد ہوتا ہے "اس کو امان ہے" عمیر دوبارہ گزارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے۔ آپؐ اپنا عمامہ اٹھا کر دے دیتے ہیں۔ عمیر

یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں۔ صفوان کہتا ہے "مجھے محمد کے پاس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے۔ وہ عمیر جو زہر میں تلوار بجھا کر محمد رسول اللہ کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں" اے صفوان! ابھی تم کو محمد کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے صفوان آستانۂ نبوی پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ ارشاد ہوتا ہے، "سچ ہے"۔ پھر کہتا ہے لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا، مجھے دو مہینہ کی مہلت دو۔ آپ فرماتے ہیں، تمہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے، لیکن یہ مہلت ختم بھی نہیں ہونے پاتی کہ دفعتہً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

آپؐ خیبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپؐ بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے۔ آپؐ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپؐ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمتِ عالمؐ کے دربار سے اُس کو کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپؐ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔

غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپؐ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے۔ صحابہؓ اِدھر اُدھر درختوں کے سائے میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے۔ وہ اس وقت سیدھا آپؐ کے پاس آتا ہے۔ درخت سے آپؐ کی تلوار اُتارتا ہے۔ پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے کہ آپؐ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے "محمد! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟" ایک پُر اطمینان صدا آتی ہے کہ "اللہ!" اس غیر متوقع جواب کو سُن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے۔ تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہؓ آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپؐ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے کہ یہ قتل کے لئے آپؐ کی گھات میں تھا، وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپؐ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ آپؐ اُس کو تسلّی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے، غزوۂ مکّہ میں اسّی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبلِ تنعیم سے اُتر کر آپؐ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو۔

دوستو! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف جس نے مکّہ کے عہدِ ستم میں آپؐ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپؐ کی بات بھی سُننی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبدیالیل کے خاندان نے آپؐ سے استہزاء کیا، بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپؐ کی ہنسی اُڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور دو رویہ کھڑے ہو گئے اور جب آپؐ بیچ سے گزرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپؐ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپؐ کا بازو پکڑ کر اُٹھا دیتے۔ جب آپؐ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔ آنحضرتؐ کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے ایک دن دریافت کیا کہ یا رسُولَ اللہ! تمام عمر میں آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون آیا؟ تو آپؐ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا۔ ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مُدّت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مُسلمان شہید ہوتے ہیں، آپؐ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پُرجوش مسلمان نہیں مانتے۔ طائف پر بددُعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپؐ ہاتھ اُٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں؟ "خداوندا! طائف کو ہدایت کر اور اُس کو اسلام کے آستانہ پر جُھکا۔" دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دُعائے خیر ہے، وہی شہر جس نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے، آپؐ کو زخمی کیا تھا اور آپؐ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔

اُحد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مُسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں،

آپؐ نرغۂ اعداء میں ہوتے ہیں، آپؐ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی لڑیاں سرِ مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرۂ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے۔ اس حالت میں بھی آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں: "وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپئے ہے، خداوندا! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے۔" یہ ہے "تُو اپنے دشمن کو پیار کر"، کی زرتونی ولعظا پر عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے۔

وہی ابن عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپؐ کے ساتھ یہ مظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینے آتا ہے تو آنحضرتؐ اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اُتارتے ہیں، ہر روز نمازِ عشاء کے بعد اُس کی ملاقات کو جاتے ہیں اور پھر اپنی رنج بھری مکّہ کی داستان سُناتے ہیں۔ کس کو؟ اُس کو جس نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے اور آپؐ کو ذلیل کیا تھا۔ یہ ہے "تُو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر۔"

مکّہ جب فتح ہُوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں؟ جہاں آپؐ کو گالیاں دی گئیں، آپؐ پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپؐ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپؐ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپؐ کی ہجویں کہا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپؐ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکرِ قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے تھے، آپؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، آپؐ پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کے عزیزوں کا خونِ ناحق کیا تھا، اُن کے سینے چاک کئے تھے اور اُن کے دل و جگر کے ٹکڑے کئے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بیکس مسلمانوں کو ستاتے تھے، اُن کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے۔ اُن کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے اُن کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے

ان کے بدن کو چھیدتے تھے، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے۔ پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، دفعتہً زبانِ مبارک کھلتی ہے۔ سوال ہوتا ہے، قریش! بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے "محمد! تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے۔" ارشاد ہوتا ہے، "آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ - آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں" اذھبوا فانتم الطلقاء، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ، اور عملی تعلیم، جو صرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس کے باعث تمام دوسرے مذہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار ان ہی کو دہراتے ہیں کہ ان کے سوا اُن کے پاس کوئی چیز نہیں اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں، بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا:-

ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنتی۔ "میں تم میں دو مرکزِ ثقل چھوڑ جاتا ہوں، خدا کی کتاب اور اپنا عملی راستہ۔"

یہی دونوں مرکزِ ثقل اب تک قائم ہیں اور تاقیامت قائم رہیں گے۔

اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ "لوگو! تمہارے لئے خدا کے رسول کی زندگی میں بہتر پیروی ہے۔"

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب، کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے،

تمام دُنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔ طریقۂ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے: صلوا کما رأیتمونی "تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"۔ بیوی بچّوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے: خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچّوں کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی بچّوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں"۔ آخری حج کا موقعہ ہے، شمع نبوّت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو خدا تعالےٰ کا آخری پیغام سُنایا جا رہا ہے۔ عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے۔ مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے۔ فرمایا:-

"آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے، یعنی تم سب ایک دُوسرے کے قاتلوں کو معاف کرو، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں"۔

"جاہلیت کے تمام سُودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں"۔

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے۔ وہ غلط اور قابلِ اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزّت اور آبرو سے ہوتا ہے، اُن کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمّت گویا بظاہر اپنی بے عزّتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے اسی لئے مُلک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی مُلکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔ عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے، آپؐ نے مساوات، اخوتِ انسانی اور جنسِ انسانی

کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزند متبنیٰ بنایا۔ عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی و کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ والے پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کردے، لیکن آپؐ نے جب یہ اعلان کیا کہ "اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔ تو اس تعلیم نے دفعۃً بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا لیکن ضرورت تھی عملی مثالوں کی۔ یہ مثال خود آپؐ نے پیش کی۔ اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں اپنے غلام سے بیاہا، مُنہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا تو سب سے پہلے زید بن محمدؐ، زید بن حارثہ کہلائے۔

مُنہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ ایک لفظی رشتہ تھا جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی، اس لئے اس کا توڑنا ضروری تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لئے عملی مثال پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام تھا، پیغمبرِ عرب نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کرلی۔ جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئی اور تبنّی کی بے ہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی۔

واقعات کی انتہا نہیں ہے، مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے اور آج شاید میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے۔

میرے دوستو! میرے معروضات کی روشنی میں حضرت آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو! کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ

کہیں نظر آتا ہے؟

حاضرین! چند لفظ اور!

بعض شیریں بیان واعظ شاعرانہ پیرایہ میں اپنے "خداوند" کی ربّانی محبت اور الٰہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مگر اُن ہی کے مقولہ کے مطابق کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" اس پاک عشق و محبت کا کیا اثر اُن کی زندگی میں نمایاں تھا؟ عرب کے دعوے دارِ محبت کی سیرت پڑھو، راتیں گزرتی ہیں، دُنیا سوتی ہے اور اس کی آنکھیں جاگتی ہیں، ہاتھ خدا تعالےٰ کے آگے پھیلے ہیں، زبان ترانۂ حمد گا رہی ہے، دل پہلو میں بے تاب تڑپ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں، کیا محبت کی یہ تصویر ہے یا وہ؟

حضرت عیسیٰ سُولی پر چڑھتے ہیں تو بے تابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: ایلی ایلی لما سبقتنی "اے میرے خداوند! اے میرے خداوند! تُو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟" لیکن محمد رسول اللہ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں اور زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی "اے میرے خداوند! اے میرے بہترین ساتھی!"

ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ، عشق کی چاشنی اور ربّانی سکینت کا لطف ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ

ساتواں خطبہ

پیغمبرِ اسلام علیہ السّلام کا پیغام

حضرات! میں نے پچھلے چھ لکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقوں میں سے صرف انبیائے کرام علیہم السّلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں اور اُن میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے۔ اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم ہی عالمگیر اور دائمی نمونہ ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دُنیا کو کیا پیغام دینے آئے؟ اور کیا پیغام دے کر دُنیا سے تشریف لے گئے؟ ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزاء ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے اس پیغمبر آخرالزمان کی ضرورت پیش آئی؟ دُنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو پیغام آئے اُن کی کس طرح اس آخری پیغمبر نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیاءؑ کے ذریعہ سے پیغام آتے رہے مگر جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے، وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لئے آیا کئے اور وقتی تھے اور اس لئے اُن کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، اُن کی اصل برباد ہوگئی، مُدتوں کے بعد مرتب کئے گئے اور اُن میں تحریفیں کی گئیں، اُن کے ترجموں نے اُن کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اُن کی تاریخی سند کا ثبوت نہیں باقی رہا۔ بہت سے جعلی پیغام اُن میں شریک کئے گئے اور یہ سب چند سو برس کے اندر ہو گیا۔ اگر خدا تعالےٰ کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا

ہے تو ان کا مٹنا اور برباد ہو جانا ہی اُن کے وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا ثبوت ہے۔ مگر جو پیغام محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعے آیا وہ عالمگیر اور دائمی ہو کر آیا۔ اور اسی۔ لئے وہ جب سے آیا اب تک پوری طرح محفوظ ہے اور رہے گا۔ کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کسی گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں۔ دُنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے اُن کا گم ہو جانا ہی اُن کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے۔ اور جو موجود ہیں اُن کی ایک ایک آیت تلاش کر لو، اُن کی تکمیل اور ان کی حفاظت کے وعدہ کے متعلق ایک حرف نہ پاؤ گے، بلکہ ان کے خلاف ان کے نقص کے اشارے اور تصریحیں ملیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ "خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو"۔ (استثناء ۱۸، ۱۵) "میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُس سے کہوں گا وہ سب اُن سے کہے گا" (استثناء ۱۸، ۱۹) "یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ہو گی"۔ (استثناء ۳۳، ۲)۔

ان اُوپر کی آیتوں میں تورات یہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک اور نبی موسیٰ ؑ کے مثل آنے والا ہے جو اپنے ساتھ ایک آتشیں شریعت بھی لائے گا اور اُس کے مُنہ میں خُدا اپنا کلام بھی ڈالے گا۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغام آخری اور دائمی نہ تھا۔

اس کے بعد اشعیا نبی ایک اور "رسول" کی خوشخبری سُناتے ہیں، "جس کی شریعت کی راہ دریائی ممالک اور جزیرے تک رہے ہیں"۔ (باب ۴۰) ملاخیہ میں ہے "دیکھو

میں اپنے رسول کو بھیجوں گا"۔ بنی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور زبور میں آئندہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں تھا۔

انجیل کو دیکھو وہ اعلان کرتی ہے۔

"اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔" (یوحنا ۱۴-۱۶)

"لیکن وہ فارقلیط روح القدس ہے، جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں، تمہیں یاد دلائے گا۔" (یوحنا ۱۴-۲۶)۔

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سُنے گی وہ کہے گی۔" (یوحنا ۱۶)

ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کا آخری کلام نہیں اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں۔ ایک اور آئے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کرے گا۔ مگر محمدؐ کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا جو نیا پیغام سنائے گا۔ یا محمدؐ کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دُور کر کے وہ اس کو کامل کرے گا، بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپ دعویٰ کرتا ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ (مائدہ-۱)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر پُوری کر دی اپنی نعمت۔"

اور بتایا کہ محمد خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے ہیں "وخاتم النبیین" خود قرآن نے کہا ہے اور "ختم بی النبیون" (اور میری ذات سے انبیاء ختم کئے گئے) حدیث نے کہا ہے (مسلم باب المساجد) الا انه لا نبی بعدی (ہشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) متعدد حدیثوں میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا "میں نبوت کی عمارت کا

آخری پیغمبر ہوں"۔ قرآن نے اپنے صحیفہ کی کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغمبر کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغام ربانی جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعے دُنیا میں آیا، خُدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے اور اسی لئے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے وعدے سے خدا نے اُس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔

دوستو! اس کے بعد سوال یہ ہے کہ پیغامِ محمدیؐ کے سوا کوئی اور پیغامِ الٰہی بھی عالمگیر ہو کر آیا۔ بنی اسرائیل کے نزدیک دُنیا صرف بنی اسرائیل سے عبارت ہے، خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اسی لئے بنی اسرائیل کے انبیاؑ اور صحیفوں نے کبھی غیر بنی اسرائیل تک خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ تمام صحیفوں میں صرف انہی کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور اُن کو اُن کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ ملتفت کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھا اور غیر اسرائیلی کو اپنا پیغام سنا کر "بچوں کی روٹی کتوں کو دینی پسند نہ کی"۔ ہندوستان کے وید بھی غیر آریوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے علاوہ تو تمام دُنیا شودر ہے اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر وید کے شبد شودر کے کانوں میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے۔

پیغامِ محمدیؐ دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے جو کالے گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگ و فرنگ سب کے لئے عام ہے، جس طرح اس کا خدا تمام دُنیا کا خدا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ "تمام دنیا کے لئے رحمت ہے اور اس کا پیغام بھی تمام دُنیا کے لئے پیغام ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِیْنَ (انعام-۱۰)	"نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لئے۔
تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فرقان-۴-۱)	"برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرنیوالا ہو، وہ (خدا) کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی"۔

آپؐ تمام دُنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک خُدا تعالیٰ کی سلطنت ہے وہاں تک آپؐ کی پیغامبری کی وسعت ہے، سورۂ اعراف میں ہے :۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ،

"کہہ دے اے لوگو! مَیں تم سب کی طرف (اس) اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے"۔

دیکھو اس میں بھی پیغامِ محمدیؐ کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے، اس سے زیادہ یہ کہ جہاں تک اس پیغام کی آواز پہنچ سکے، سب اُس کے دائرہ میں ہے:

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۔ (انعام)

"اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس سے مَیں تم کو ہشیار کردوں اور جس تک یہ پہنچے اس کو (ہشیار کردوں)۔

اور بالآخر :۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۔ (سبا)

"اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو (اے محمدؐ) لیکن تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سُنانے والا اور ہشیار کرنے والا (بنا کر)

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ سارے مذہبوں میں صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالم گیر ہونے کا دعوےٰ کیا ہے ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "مجھ سے پہلے تمام انبیاءؑ صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور مَیں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ یہ ہمارے دعویٰ کا مزید ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت ہماری تائید میں ہے۔ الغرض کہنا یہ ہے کہ پیغامِ محمدیؐ بھی اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے جس طرح اس پیغام کے لانے والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کامل و دائمی اور عالمگیر پیغمبر کا آخری، دائمی اور عالمگیر پیغام کیا ہے، جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی اور ہمیشہ کے لئے خدا کے دین کو

مکمل اور خدا تعالےٰ کی نعمت کو تمام کر دیا۔

ہر مذہب کے دو جز ہیں۔ ایک کا تعلق انسان کے دل سے اور دوسرے کا انسان کے باقی جسم اور مال و دولت سے ہے، پہلے کو ایمان اور دوسرے کو عمل کہتے ہیں۔ عمل کے تین حصے ہیں۔ ایک خدا سے متعلق ہے جس کو "عبادات" کہتے ہیں۔ دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو "معاملات" کہتے ہیں اور جن کا بڑا حصہ قانون ہے۔ تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجاآوری سے ہے اس کو "اخلاق" کہتے ہیں۔ غرض اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق مذہب کے بھی چار جز ہیں اور یہ چاروں جز پیغامِ محمدیؐ کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچے ہیں۔

تورات اور انجیل میں عقائد کا حصہ بالکل ناصاف اور غیر واضح ہے۔ اس میں خدا کے وجود اور توحید کا بیان ہے لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے معرا، خدا کے صفات جو اصل میں روحِ انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت ہو سکتی ہے نہ تورات میں ہیں اور نہ انجیل میں۔ توحید کے بعد رسالت ہے۔ رسالت اور نبوت کی حقیقت، وحی، الہام، مکالمہ کی تشریح، انبیائے کرامؑ کی حیثیت، انسانی انبیاءؑ کا ہر قوم میں ہونا، انبیاءؑ کے فرائض، انبیاءؑ کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیئے۔ انبیاءؑ کی معصومیت، ان تمام مسائل سے پیغامِ محمدیؐ سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و نشر، قیامت و حیاتِ آخرت۔ تورات میں ان کے نہایت دھندلے سے نشانات ہیں۔ انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں۔ ایک دو فقرے جنت دوزخ کے متعلق بھی ہیں، اور بس! لیکن پیغامِ محمدیؐ میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے۔

فرشتوں کا تخیل تورات میں بھی ہے مگر بالکل ناصاف، کبھی کبھی خدائے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ تورات میں خدا کا ذکر ہو رہا ہے یا فرشتوں کا؟ انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں، وہاں روح القدس کی حقیقت اس قدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا! یا یوں کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے

ہیں اور خدا بھی۔ لیکن پیغامِ محمدیؐ میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت، بالکل واضح ہے، اس میں اُن کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے۔ ان کے کام بتا دیئے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے۔

یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغامِ محمدیؐ نے کی ہے۔ اب آئیے عملیات کا امتحان لیں، عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے۔ توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اُس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح ہے۔ روزوں کا بھی ذکر آیا ہے دعائیں بھی کی گئی ہیں۔ بیت ایل یا بیت اللہ کا بھی نام آتا ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ اُن پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی اور وہ ان کے انکار کی طرف مائل ہیں، پھر نہ تو عبادات کی تقسیم ہے اور نہ اُن کے طریقے اور آداب ہی بتلائے گئے ہیں، نہ اُن کے اوقات کی صاف صاف تعیین کی گئی ہے اور نہ خدا کی یاد اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، نہ کوئی دُعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔

زبور میں خدا کی دُعائیں اور مُناجاتیں بکثرت ہیں مگر عبادات کے طریقے، آداب، اوقات اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں۔ انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے۔ ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے اس کو روزہ کہہ لو۔ یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ "کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے" سُولی والی رات میں دُعا کرنے کا ذکر ہے اور وہیں ایک دُعا بھی سکھائی گئی ہے مگر اور عبادات کا وہاں نشان نہیں لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصّل ہے، نماز، روزہ، حج، اُن کے آداب و شرائط، عبادات کے طریقے، خدا کے ذکر اور یاد کی دُعائیں اور مؤثر دُعائیں، نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کی عجز و زاری، دعا و مُناجات، گناہوں کا اقرار و توبہ و ندامت اور عبد و معبود کے باہمی راز و نیاز کی وہ وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو روح کی غذا ہیں، جو دلوں کی گرہیں کھولتی ہیں، جو انسان کو خدا تک پہنچا دیتی ہیں، جو مذہب کی روح کو مجسّم کر دیتی ہیں۔

عمل کا دوسرا حصّہ معاملات یا مملکت و معاشرت کے قوانین کا ہے۔ یہ حصّہ حضرت موسیٰؑ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور پیغامِ محمدیؐ نے ان کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے اور ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکال کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے اور اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزاء کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کیا ہے۔ زبور اور انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہیں۔ طلاق وغیرہ کے متعلق ایک دو احکام انجیل میں البتہ ہیں۔ باقی صفر۔ مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت تھی اور چونکہ پیغامِ عیسوی ان سے خالی تھا اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بُت پرست یونانی اور رومی قوموں سے قرض لینی پڑیں۔ پیغامِ محمدیؐ نے ان میں سے ہر ایک حصّہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا اور ایسے اصول اور قواعدِ کلیہ بتائے جن سے وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علماء نئی نئی ضرورتوں کے لئے مسائل نکال نکال کر پیش کرتے ہیں۔ کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی اور سینکڑوں متمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں ان سب کا اسی قانون پر عملدرآمد رہا اور اب بھی اس سے بہتر قانون دُنیا پیش نہیں کر سکتی۔

عمل کا تیسرا حصّہ اخلاق ہے۔ تورات میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جاتے ہیں، ان میں سے سات اصولی احکام ہیں جن میں سے والدین کی فرمانبرداری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی چھ محض سلبی تعلیمیں ہیں۔ تُو خون مت کر، تُو چوری نہ کر، تُو زنا نہ کر، تُو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے، تُو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ، تُو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر۔ ان میں سے چھٹا حکم چوتھے میں اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے اس لئے چار ہی اخلاقی احکام رہ گئے۔

انجیل میں بھی ان ہی احکام کو دہرایا گیا ہے اور مجملاً دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے جس کو تورات کے احکام پر ایک اضافہ کہہ لیجئے لیکن پیغام

محمدی نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے بارہ[12] اصولی احکام متعین کئے جو معراج میں ربانی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے اور جو سورۂ اسراء میں مذکور ہیں۔ ان بارہ میں سے گیارہ[11] انسانی اخلاق اور ایک توحید کے متعلق ہے۔ گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں اور پانچ ایجابی اور ایک سلبی و ایجابی کا مجموعہ۔

ماں[1] باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن[2] کا تجھ پر حق ہے ان کا حق ادا کر۔ یتیم[3] سے اچھا برتاؤ کر، ناپ[4] تول، ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ، اپنا[5] وعدہ پورا کر، کہ تجھ سے اس کی پوچھ گچھ ہو گی۔ یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں: تو[6] اپنی اولاد کو قتل نہ کر، تو ناحق[7] کسی کی جان نہ لے، زنا[8] کے قریب نہ جا۔ انجان[9] بات کے پیچھے نہ چل، زمین[10] پر غرور نہ کر۔ یہ پانچ سلبی باتیں ہیں اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے۔ فضول خرچی نہ کر، بلکہ اعتدال اور بیچ کی راہ اختیار کر۔ انہی اصولی احکام کے مقابلہ سے واضح ہوا ہو گا کہ پیغامِ محمدیؐ کیونکر تکمیلی پیغام ہو کر آیا ہے۔ اس نے نہ صرف ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا ہے، بلکہ اخلاق کی ایک ایک گرہ کو کھولا، انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا ہے، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا، روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اُس کا علاج بتایا ہے۔

یہ "عمل" کی وہ تکمیل تھی جو پیغامِ محمدیؐ کے ذریعہ سے انجام پائی۔

اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو ہم ان کو "ایمان" اور "عملِ صالح" کے دو لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدیؐ پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انہی دونوں پر انسانی نجات کا مدار ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو اور عمل نیک اور صالح ہو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے اور ہر جگہ صاف کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عملِ صالح پر موقوف ہے۔ میں چاہتا تھا کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں، مگر افسوس کہ یہ موقع نہیں ہے کہ یہاں ان کی پوری تفصیل پیش کی جا سکے۔ اس لئے اس

وقت پیغامِ محمدیؐ کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دُنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی اور دینِ ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا اور اُن اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا جن کی بناء پر انسانیت حد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔

۱۔ ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغامِ محمدیؐ کے ذریعہ سے سامنے آیا، وہ کائنات اور مخلوقاتِ الٰہی میں انسانیت کا درجہ ہے اور یہی توحید کی جڑ ہے۔ اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقاتِ الٰہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا۔ وہ سخت پتھر، اُونچے پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت، برستے پانی، دہکتی آگ، ڈراؤنے جنگل، زہریلے سانپ، ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے، چمکتے سورج، درخشاں تاروں، کالی راتوں، بھیانک صُورتوں۔ غرض دُنیا کی ہر اُس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا یا جس کے نفع کا خواہشمند تھا پُوجتا تھا اور اُس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا۔ محمدؐ رسول اللہ نے آکر دُنیا کو یہ پیغام دیا کہ "اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں، بلکہ تم اُن کے آقا ہو، وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم اُن کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، وہ تمہارے آگے جھکی ہیں، تم کیوں اُن کے آگے جھکتے ہو۔ اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو۔ اس لئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیرِ فرمان کی گئی ہے، تم اس کے زیرِ فرمان نہیں کیے گئے۔ وہ تمہارے لئے ہے تم اُس کے لئے نہیں ہو۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ، (بقرہ ع-۴)

"(یاد کرو) جب تیرے خدا نے فرشتوں سے کہا تھا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔"

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ، (انعام - ۲۰)

"اور اُسی (خدا) نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔"

اسی نیابت اور خلافت نے آدمؑ اور اولادِ آدم کو سب مخلوقات میں عزت اور بلندگی بخشی۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ "اور ہم نے بہ تحقیق اور بلاشک وشبہ آدمؑ کی اولاد کو بزرگ بنایا۔ اب کیا یہ بزرگ ہو کر اپنے سے پست تر اور حقیر تر کے آگے سر جھکائے؟

اسلام نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ یہ ساری دُنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ (الحج: ۹)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے بس میں دے دیا ہے۔"

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (البقرہ۔ ۳)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے، سب تمہارے بس میں دے دیا ہے۔"

جانور تمہارے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ (نحل-۱)

"اور جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے، اُن کے اون میں گرمی اور دوسرے فائدے ہیں۔"

بارش، اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمہارے لئے ہیں۔

ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔ (نحل-۲)

"اسی (خدا) نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اُتارا اس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور کچھ سے درخت اُگتے ہیں جس میں جانور چراتے ہو، وہی (خدا) تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور چھوہارے اور انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔"

رات، دن، چاند، سورج اور تارے سب تمہارے لئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ۔ (نحل-۲)

"اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج کو تمہارے لئے کام میں لگایا اور ستارے اسی کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔"

دریا اور اُس کی روانی بھی تمہارے لئے ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

"اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو پھاڑتی چلتی ہیں اور تاکہ تم خدا کی مہربانی کو

(نحل-۲) ڈھونڈو اور شاید کہ تم اُس کا شکر کرو۔"

اس معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ عارف شیراز نے اسی مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند　　تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ان آیتوں کے ذریعہ سے پیغامِ محمدیؐ نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کائنات کا سرتاج ہے، وہ خلافتِ الٰہی سے ممتاز ہے، وہ خلقِ کائنات کا مقصود ہے اور لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ اس کا طغرا ہے۔ غور کرو کہ اس حقیقت کے فاش ہونے کے بعد انسان کے لئے کائنات کے کسی منظر یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے؟ اور اس کے آگے خاک پر پیشانی رکھنا مناسب ہے۔

نادان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا چاہے وہ اوتار بن کر آئے ہوں یا تختِ جبروت پر قدم رکھ کر فرعون و نمرود و شہنشاہ بنے ہوں۔ یا تقدس کا لبادہ اوڑھ کر قسیس و راہب کہلائے ہوں یا پوپ اور عالم و درویش بن کر اپنے کو معبود منوانا چاہا ہو۔ یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی، پیغامِ محمدیؐ نے اس کو جڑ سے کاٹ دیا۔

وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ (اٰلِ عمران-۷)　　"اور نہ بنائے ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنا رب خدا کو چھوڑ کر۔"

یہاں تک کہ نبیوں کو بھی روا نہیں کہ وہ یہ کہیں۔

کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (اٰلِ عمران)　　"خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔"

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے اور آنکھوں کے سامنے کی ہستیوں میں انبیاءؑ سب سے بلند ہیں مگر وہ بھی انسان کا معبود نہیں ہو سکتے۔

وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا۔ (اٰلِ عمران-۸)　　"اور وہ (خدا) یہ حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔"

الغرض انسانیت کا درجہ پیغامِ محمدیؐ کے ذریعہ سے اتنا بلند ہو گیا ہے کہ اس کی پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ اس ایک کے

سوا کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے جس سے وہ لینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی لے نہیں سکتا۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ۔ (زخرف - ۷) "اور وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا ہے۔"

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف - ۷) "ہاں اُسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔"

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (انعام - ۷) "حکومت صرف خدا کی ہے۔"

لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ (فرقان - ۱) "اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔"

اس پیغامِ محمدیؐ کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہوگا کہ علاوہ اس کے کہ اُس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی حقیقت کو بھی کس طرح کھول دیا ہے۔ یہاں "خدا" کے ساتھ کوئی "قیصر" نہیں ہے جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے قیصر کا کچھ نہیں۔ اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم ہے جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے۔

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشہ خلافت سے سرمست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی، ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے؟ اور کسی ہستی کی پرواہ کر سکتا ہے؟ ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو اور پیغامِ محمدیؐ کی اس بلندی پر غور کرو۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے وہ خود انسان ہی ہے، جو اپنے اچھے بُرے عمل سے فرشتہ یا شیطان، یعنی بے گناہ یا گناہ گار بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے۔ یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے، جو بنی نوع انسان کو محمدؐ رسول اللہ کے ذریعہ ملی۔ چین، برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب آواگون اور تناسخ کے چکر میں مبتلا ہیں۔

یونان کے بعض بے وقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں۔ مگر اس وہم نے انسانیت کو بے کار کر دیا اور اس کی پیٹھ پر بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا ہے۔ اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بتا کر اس کو مجبور کر دیا اور اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس کی گناہ گاری کی دلیل ہے۔ عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا بلکہ اور بڑھا دیا ہے۔

عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تعلیم کیا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ آدمؑ کی گنہگاری کے سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے۔ خواہ اُس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ اس لئے انسانوں کی بخشش کے لئے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گناہ گار نہ ہو تا کہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوع انسان کے لئے کفارہ ہو جائے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ تم کو بشارت ہو کہ تم نہ اپنی پہلی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور و ناچار ہو اور نہ اپنے باپ آدمؑ کے گناہ کے باعث فطری گناہ گار ہو بلکہ تم فطرتاً پاک و صاف اور بے عیب ہو۔ اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی صفائی اور پاکی کو برقرار رکھو یا نجس و ناپاک بن جاؤ۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ، ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (تین)

"قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی (کہ) البتہ ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا، پھر اس کو ہم نیچے سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔"

انسانوں کو پیغام محمدی کی یہ بشارت ہے کہ انسان بہترین حالت، بہترین اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک و بد ہو جاتا ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

"قسم ہے نفس کی اور اُسکے ٹھیک بنائے جانے کی، پھر ہم نے سمجھ دیدی اسکو بدی اور نیکی کی تو کامیاب ہے وہ جس نے اس (نفس) کو پاک رکھا اور ناکام ہوا

(شمس) وہ جس نے اس کو میلا کر دیا۔"

انسانیت کی فطری پاکی کے لئے اس سے زیادہ صاف پیغام اور کیا چاہیئے۔ سورۂ دہر میں پھر آتا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔ (دھر ع-۱)

"ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا، ہم پلٹتے رہے اس کو، پھر کر دیا ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (انسان) ہم نے اس کو سوجھا دی راہ، اب وہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکر ہے۔"

سورۂ انفطار میں ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ۔ (انفطار ع-۱)

"اے انسان! کاہے سے دھوکے میں پڑا تو اپنے بخشش والے رب کے متعلق جس نے تجھ کو پیدا کیا پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھ کو برابر کیا، جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔"

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی زبان میں دین اور فطرت ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں۔ اصل فطرت دین ہے اور گناہ گاری انسان کی ایک بیماری ہے جو باہر سے آتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (روم-۱۴)

"سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت، جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔"

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے ایک پیغام میں اس آیتِ پاک کا مطلب پورے طور پر واضح کر دیا ہے۔ بخاری تفسیر سورۂ روم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا عَلَى الْفِطْرَةِ۔ کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ماں باپ

اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ہر جانور اصل میں صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے؟ یہ کہہ کر آپ نے پھر اُوپر کی آیت پڑھی۔

غور کرو! اس پیغامِ محمدیؐ نے بنی نوعِ انسان کو کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح مسرت سے بدل دیا اور ہر انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے۔

۳۔ ظہورِ محمدیؐ سے پہلے دُنیا کی یہ کُل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی اور لوگ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی۔ ان کے نزدیک پرمیشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا۔ خدا کی رہنمائی کا عطیہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کے لئے محفوظ تھا۔ زرتشت خاکِ پاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا تعالےٰ کی آواز نہیں سُنتا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے۔ یہ پیغامِ محمدیؐ ہی ہے جس نے پُورب، پچھم، اُتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سُنی اور بتایا کہ خدا کی راہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہے۔ ہر جگہ اُس کے پیغام کی بانسری بجی اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۔ (فاطر)
"اور نہیں ہے کوئی قوم مگر یہ کہ اس میں گزر چکا ایک ہشیار کرنے والا"

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ (رعد)
"اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے"

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ ۔ (روم)
"اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے"

ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا۔ ایک عیسائی کیلئے بنی اسرائیل

کے یا دوسرے ملکوں کے راہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں اور ایسا کرنے سے اُس کے سچے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ہندو دھرم کے لوگ آریہ ورت کے باہر خدا کی سی آواز کے قائل نہیں۔ ایران کے زردشتی کو اپنے ہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ محمد رسول اللہ ہی کا پیغام ہے کہ ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے اور خدا تعالےٰ کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا شام، ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا۔ جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی خدا نے اپنے قاصد بھیجے، اپنے رہنما اُتارے اور اُن کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا۔

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دُنیا کے تمام پیغمبروں پر، پہلی آسمانی کتابوں پر اور گزشتہ ربانی الہاموں پر یقین نہ رکھے۔ جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں ان کو نام بنام اور جن کے نام ہمیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں وہ کہیں بھی گزرے ہوں اور اُن کے جو نام بھی ہوں ان سب کو سچا اور راست باز ماننا ضروری ہے۔ مسلمان کون ہیں؟

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ (بقرہ)	"جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اے محمدؐ تم پر اُترا اور اس پر جو تم سے پہلے اُترا۔"

پھر سورۂ بقر کے بیچ میں فرمایا۔

لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۔ (بقرہ)	"لیکن نیکی اس کی ہے جو خدا پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لایا۔"

اسی سورۃ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اُس کے پیرو۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔ (بقرہ)	"سب ایمان لائے خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں باہم فرق نہیں کرتے۔"

یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ بعض پہ ایمان لائیں اور بعض پہ نہیں۔ تمام مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ (نساء ۲۰ ع)	"اے ایمان لا چکنے والو! ایمان لاؤ خدا پر اور اُس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری گئی۔"

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات، انسانی اخوت و برادری اور تمام سچے مذاہبوں، رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی ادب و تعظیم اور ان کی یکساں صداقت کا سبق محمد رسول اللہ کے سوا اور کس نے دیا ہے۔ اب بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کی رحمتِ عام ہمدردی اور رواداری کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس سے انسانوں کی کوئی بستی اور بنی آدم کا کوئی گھرانہ خالی نہیں۔

۴۔ تمام مذاہبوں نے عبد و معبود اور خدا و بندہ کے درمیان واسطے قائم کر رکھے تھے۔ قدیم بت خانوں میں کاہن اور پجاری تھے۔ یہودیوں نے بنی لاوی اور ان کی نسل کو خدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ بنایا تھا۔ عیسائیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمانوں پر باندھا جائے گا اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائے گا۔ ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں میں برہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں، خدا اور بندہ کے درمیان وہی واسطہ ہیں، اُن کی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام میں پجاریوں، کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے۔ یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں۔ یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے۔ یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ عبد و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے، نکاح پڑھ سکتا

ہے، مذہب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے۔ یہاں انسانوں کو اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ "اے لوگو! (بلا واسطہ) مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا" کی صدائے عام ہے۔ ہر شخص اپنے خدا سے باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اُسے پکار سکتا ہے، اُس کے آگے جھک سکتا ہے اور دل کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے۔ یہاں عبد اور معبود اور خدا و بندہ کے درمیان کوئی متوسط اور دخیل نہیں۔ یہ سب سے بڑی آزادی ہے جو محمد رسول اللہ کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوئی، یعنی یہ کہ خدا کے معاملہ میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی، ہر انسان اپنا آپ کاہن، پریسٹ، پوپ اور برہمن ہے۔

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں، اُن کے متعلق ابتداء سے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط و تفریط رہی ہے۔ افراط یہ تھی کہ نادانوں نے ان کو خود خدا یا خدا کا مثیل یا خدا کا رب اور مظہر ٹھہرایا۔ بابل، اسیریا اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شانِ مثیلِ خدا کی نظر آتی ہے۔ ہندوؤں میں وہ اوتار کے رنگ میں مانے جاتے ہیں۔ بودھوں اور چینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خود خدا تسلیم کر لیا۔ عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشین گوئی کر سکتا تھا نبی اور پیغمبر تھا۔ ایک نبی کی نبوت کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پیشین گوئی کرتا ہے خواہ وہ گنہگار ہو، اخلاقی حیثیت سے قابلِ اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا۔ اسی لئے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بے ہودہ ہیں۔

اسلام نے اس منصبِ عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کی اور بتایا کہ انبیاء نہ خدا ہیں نہ خدا کے مثیل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں، نہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں، وہ آدمی ہیں اور محض آدمی ہیں، وہ بشر ہیں اور خالص بشریت کے جامہ میں ہیں، تمام انبیاء بشر تھے اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں، کفار تعجب سے کہتے تھے "اَبَشَرًا رَّسُوْلًا" کیا بشر رسول؟ اسلام نے کہا۔ ہاں!

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ - هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا - "کہہ دے اے پیغمبر! مَیں بھی تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔ مَیں نہیں ہوں، لیکن بشر رسول۔"

خُدا کے کارخانہ کی کوئی چیز بالذات انبیاءؑ کے اختیار میں نہیں۔ اُن کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا تعالیٰ کے اذن و اشارہ سے۔

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ گو انسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے کمالات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، وہ خدا سے مکالمہ کرتے ہیں، اُن پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں تاکہ گناہ گاروں کے لئے نمونہ بنیں۔ اُن کے ہاتھوں سے خدا اپنے اذن اور اشارہ سے اپنی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کی عزّت و تعظیم اور اطاعت سب پر فرض ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے خاص، سچے اور مطیع بندے ہیں جن کو خداوند کریم اپنے رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغامِ محمدیؐ نے انبیاءؑ اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے اور اُس مذہب کے مناسب ہے جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

دوستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں۔

؎ شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

انشاءاللہ آئندہ مزید معروضات پیش کروں گا، رات زیادہ ہوگئی ہے، اس لئے اب آج کی مجلس اس دائمی، کامل اور عالمگیر معلّم کے درود و سلام پر ختم ہوتی ہے۔

آٹھواں خطبہ

پیغامِ محمدیؐ

عمل

دوستو! آج میری اور آپ کی یک ماہہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو اخیر تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کر دوں، مگر

صد سال می توان سخن از زلفِ یار بست

مسئلہ "توحید" کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام لے کر اس دنیا میں آئے تھے، تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں۔ ایک جسمانی تشبیہ و تمثیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا اور تیسرے افعال کی نیرنگی سے دھوکہ کھانا۔ پیغامِ محمدیؐ نے ان گرہوں کو کھولا، ان غلط فہمیوں کو دور کیا اور ان حقیقتوں کو واضح کیا، سب سے پہلے تشبیہ و تمثیل کو لیجئے۔

۱۔ خدا کو، خدا کی صفتوں کو اور خدا و بندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے خیالی یا مادی تشبیہیں اور تمثیلیں دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصل خدا تو جاتا رہا اور اس کی جگہ یہ تشبیہیں اور تمثیلیں خدا بن گئیں، انہی تشبیہوں اور تمثیلوں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی اور بت پرستی شروع ہو گئی۔ خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ جو لطف و کرم اور محبت اور پیار ہے اس کو بھی تشبیہ و تمثیل کے رنگ میں ادا کر کے مجسم کر دیا گیا۔ آرین قوموں میں چونکہ عورت محبت کی دیوی ہے اس لئے خدا اور بندہ کے تعلق کو ماں اور بیٹے کے لفظ سے ادا کیا گیا اور اس لئے خدا ماتا کی شکل میں آگیا۔ بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیف محبت کو زن و شوہر اور میاں بیوی کے

کے الفاظ میں ادا کیا گیا۔ سدا سہاگ فقیروں نے ساڑھی اور چوڑی پہن کر اسی حقیقت کو نمایاں کیا ہے۔ رومیوں اور یونانیوں نے بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر کیا ہے۔ سامی قوموں میں عورت کا برملا ذکر تہذیب کے خلاف ہے، اس لئے خاندان کی اصل بنیاد باپ قرار دیا گیا ہے، اس طرح بابل، اسیریا و شام کے کھنڈروں میں خدا مرد کی صورت میں جلوہ نما ہے۔ بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیل میں خدا باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتائے گئے ہیں۔ بعد کو باپ خدا کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن و شوہر کا تخیل بھی خدا اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم بیوی فرض کئے جاتے ہیں اور خدا شوہر بنتا ہے۔ عیسائیوں میں باپ اور بیٹے کی تمثیل نے اصل اور حقیقت کی جگہ لے لی۔ عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا، خدا باپ تصور کیا جاتا تھا اور فرشتے اس کی بیٹیاں۔ پیغامِ محمدیؐ نے ان تمام تشبیہی اور تمثیلی صورتوں، طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا اور ان کا استعمال شرک قرار دیا۔ اس نے صاف اعلان کیا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ "اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں"۔ اس ایک آیت نے شرک کی ساری بنیادوں کو ہلا دیا۔ پھر ایک نہایت ہی چھوٹی سورہ کے ذریعے انسانوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کیا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (اخلاص)

"کہدے (اے پیغمبر!) اللہ ایک ہے، اللہ (خود ہر چیز سے) بے نیاز ہے (اور تمام چیزیں اسکی نیازمند ہیں) نہ وہ جنتا ہے (جو اسکے اولاد ہو) نہ وہ جنا جاتا ہے (جو کسی کی اولاد ہو کر پھر خدا ہو) اور نہ اسکا کوئی ہمسر ہے (جو زن و شوہر کا رشتہ قائم ہو سکے)۔"

اس ایک سورہ میں جو قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی نکھری ہوئی صورت ظاہر ہوئی ہے جس کی بناء پر دینِ محمدیؐ ہر قسم کے شرک کے مغالطوں سے پاک ہو گیا ہے۔

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغامِ محمدیؐ نے خدا اور بندہ کے درمیان محبت، پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے۔ نہیں اس نے ان تعلقات کو اور زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے۔ لیکن ان تعلقات کے ادا کرنے میں جو جسمانی تعبیریں مختلف

انسانی شکلوں میں تھیں صرف اُن کو توڑ دیا ہے، اس لئے کہ اوّل تو یہ انسانی طریقۂ ادا حقیقت سے بہت کم رتبہ ہے، یعنی اُس کی نگاہ میں عبد و معبود کے درمیان جو تعلق ہے اس کے مقابلہ میں باپ، بیٹے، ماں بیٹیاں یا زن و شوہر کا تعلق محض ہیچ اور بالکل کم درجہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں اسی لئے اسلام نے یہ کہا "اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا" تم اللہ کو اسی طرح یاد کرو جیسے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بہت بڑھ کر (یاد کرو)" دیکھو کہ اس آیت میں محبتِ الٰہی کو ادا کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ "خدا تمہارا باپ" یعنی خدا اور باپ کے رشتہ کو مشبہ اور مشتبہ بہ نہیں بنایا، بلکہ خدا کی محبت اور باپ کی محبت کو باہم مشبہ اور مشبہ بہ قرار دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے اس جسمانی رشتہ کو گو چھوڑ دیا، لیکن اس جسمانی رشتہ کی محبت کو باقی رکھا۔ آگے بڑھ کر اس نے کہا، بلکہ باپ سے بہت زیادہ خدا سے محبت رکھنی چاہیئے۔ "اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا"، اس سے ظاہر ہوا کہ اس رشتہ کی محبت کو وہ خدا اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلہ میں کم رتبہ اور ہیچ سمجھتا ہے اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ"، "ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں"۔ اسلام خدا کو "ابو العالمین" دنیا کا باپ نہیں کہتا بلکہ رب العالمین دُنیا کا پالن ہار کہتا ہے۔ کیونکہ اُس کی نگاہ میں اَب سے ربّ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ باپ کا تعلق بیٹے سے آنی اور عارضی ہے۔ مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی خلقت اور وجود کے اوّلین لمحہ سے لے کر آخرین لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے۔ اسلام کا خدا وَدُود ہے یعنی محبت والا، رؤف ہے، یعنی ایسی رافت اور محبت والا جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہے، حنّان ہے یعنی ایسی محبت والا جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے، مگر وہ نہ باپ ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

۲۔ حضرات! قدیم مذاہب کے عقیدۂ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب صفات کا مسئلہ ہے یعنی صفات کو ذاتِ الٰہی سے الگ مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا۔ ہندوؤں کے عام مذہب میں جو خداؤں کا لاتعداد لشکر نظر آتا ہے وہ حقیقت میں اسی غلطی کا نتیجہ

ہے کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علیحدہ اور مستقل وجود مان لیا اور اس طرح ایک خدا کے ۳۳ کروڑ خدا بن گئے۔ تعداد چھوڑ کر صفات کی تشبیہ اور تمثیل بھی انہوں نے مجسم کر کے پیش کی۔ خدا کی صفت قدرت کو ظاہر کرنا تھا تو انہوں نے اسے واقعی ہاتھ کے ذریعے سے ظاہر کیا اور اس کی جسمانی تمثیل میں کئی کئی ہاتھ بنا دیئے۔ خدا تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کو سمجھانا تھا تو ایک سر کے بجائے دو سر کی مورت کھڑی کر دی۔

ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ اسی ایک مسئلہ صفات کے تجسم اور مستقل وجود کے تخیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، خدا کی تین بڑی صفتیں ہیں، خالقیت، قیومیت اور ممیتیت، یعنی پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا اور فنا کرنیوالا۔ ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا اور برہما، وشنو اور شیو، یعنی خالق، قیوم اور ممیت تین مستقل ہستیاں بن گئیں اور برہمن، وشنو پرست اور شیو پرست تین الگ الگ فرقے ہو گئے اور تینوں کے پوجنے والے الگ ہو گئے۔ لنگایت فرقہ نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا ٹھہرا کر مرد و عورت کے آلاتِ تولید کو اس خالق کا مظہر مان لیا اور ان کی تصویر پوجنی شروع کر دی۔

عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفتوں یعنی حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا۔ حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے اور ارادہ بیٹا ہے۔ اسی قسم کی چیزیں رومی، یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا اور صفات کی نیرنگی سے دھوکہ کھا کر ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا۔ قرآن نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، سب خوبیاں اسی ایک پروردگارِ عالم اللہ کے لئے ہیں وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى، سب اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ ہی آسمان و زمین کا نور ہے۔ عرب میں اسی ہستی کو صفتِ رحم سے متصف کر کے عیسائی اس کو رحمان کہتے تھے عام مشرکینِ عرب اس کو اللہ کہتے تھے۔ قرآن نے کہا قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى، یعنی اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جو کہہ

کر پکارو، سب اچھے نام یا اچھی صفتیں اسی کی ہیں۔ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (شوریٰ) پس خدا وہی پیارا ہے یا وہی کام بنانے والا ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، ہشیار! بیشک وہی خدا غفور اور رحیم ہے، بخشنے والا اور رحمت کرنیوالا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ (دخان) وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا ہے اور وہی حکیم و علیم حکمت والا اور جاننے والا ہے۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ؛ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (دخان) "وہی سننے والا علم والا ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے۔ سب کا رب ہے، اگر تم کو یقین آئے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے۔" یعنی وہی برہما ہے، وہی شیو ہے، وہی وشنو ہے۔ تینوں ایک ہی کی صفتیں ہیں۔ صفات کے تعدد اور اختلاف سے موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ ع ۴)

"خدا ہی کے لئے سب خوبی ہے جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا، رب ہے سارے جہان کا اور اسی کو ہے سب بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔"

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ، هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى؛

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں، چھپے اور کھلے کا جاننے والا، وہی ہے مہربان رحم والا، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہ بادشاہ، پاک، صلح و امن، امن دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا ہے، بڑائیوں والا، پاک ہے اللہ ان باتوں سے جن کو یہ مشرک لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہی خدا ہے جو خالق ہے جو عدم سے لانیوالا ہے جو صورت گری کرنیوالا ہے، اسی

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - (حشر - ع ۳)

کے لئے ہیں سب اچھے نام (یا سب اچھی صفتیں) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں (مخلوقات) ہے، سب اُسی کی تسبیح پڑھتی ہیں، وہی غالب (اور) دانا ہے۔"

ان صفتوں والے خدا کو ہم نے صرف پیغامِ محمدیؐ ہی کے ذریعہ سے جانا ہے، ورنہ دوسروں نے تو ذات سے صفات کو الگ کر کے ایک خدا کے چند ٹکڑے کر ڈالے تھے سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ سے مراد وہی شرک ہے جو صفات کو ذات سے الگ کر کے لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس آخری پیغام نے بتایا کہ وہی اللہ ہے وہی خالق ہے، وہی باری ہے وہی مصور ہے، وہی ملک ہے، وہی قدوس ہے، وہی مومن ہے وہی عزیز و جبار ہے، وہی رحمان و رحیم ہے ایک ہی ذات کی یہ سب صفتیں ہیں اور وہ ایک ہے۔

۳۔ شرک کا تیسرا سرچشمہ افعالِ الٰہی کی نیرنگی ہے۔ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی مختلف ہستیاں ہیں، کوئی مارتی ہے، کوئی جلاتی ہے، کوئی لڑائی لڑواتی ہے، کوئی صلح کراتی ہے کسی کا کام محبت ہے، کسی کا کام عداوت ہے، کوئی علم کا دیوتا ہے، کوئی دولت کی دیوی ہے۔ غرض ہر کام کے لئے الگ الگ سینکڑوں خدا ہیں۔ اسلام نے ان نادانوں کو بتایا کہ یہ سب ایک ہی خدا کے کام ہیں۔

تمام افعال کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ایک خیر اور ایک شر، یا یوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بری۔ اس خیال سے کہ ایک ہی ذات سے خیر و شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے، زردشتیوں نے خیر اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے الگ خدا، شر اور برے کاموں اور بری چیزوں کے لئے الگ خدا ٹھہرایا۔ پہلے کا نام یزداں اور دوسرے کا نام اہرمن رکھا! اور دنیا کو اس یزدان اور اہرمن کی باہمی کشمکش کا معرکہ گاہ ٹھہرایا۔ یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ وہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ دوستو! خیر و شر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، وہ خیر اور شر انسانوں کے صحیح استعمال یا غلط استعمال سے بن جاتی ہے۔ فرض کر لو آگ ہے۔ اگر اس سے کھانا پکاؤ یا انجن چلاؤ، یا غریب کو تاپنے کو دو تو یہ خیر ہے اور اگر اسی سے کسی غریب کا گھر جلا دو تو یہ شر ہے، آگ

اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، تم اپنے استعمال سے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار خود نہ خیر ہے نہ شر، تم اس کو جیسا استعمال کرو ویسی ہی ہے، تاریکی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر میں چوری کا ذریعہ بناؤ تو شر، اور اگر اپنے کو چھپا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت بناؤ یا انسان کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے۔

خدا تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی، آسمان و زمین بنائے، مادّہ کو خلق کیا، اشیاء میں خاصیتیں رکھیں اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں، پھر انسان کو بنایا، اس کو دل و دماغ بخشا، عقل و حکمت دی۔ اب دیکھو کہ ایک انسان اس کائنات کی ترتیب، اشیاء کی ترکیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کاری اور صورت گری پر تعجب کرتا ہوا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ پڑھ کر حضرت ابراہیمؑ کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ "میں نے اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔ دوسری طرف اسی مادّہ اور اس کی قوتوں اور خاصیتوں کے ظاہر داریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت خدا کا انکار کر بیٹھتی ہے اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علۃ العلل سمجھنے لگتی ہے اور یہ کہہ اٹھتی ہے وَمَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ) "اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی نہیں، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا" کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص، ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں، البتہ دماغ ہزاروں ہیں، ان کو دیکھ کر ایک دماغ خدا پرست ہو جاتا ہے اور دوسرا گمراہ اور دہریہ بن جاتا ہے۔ غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک ہی چیز ہے جو ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی دونوں ہیں۔ یا یوں کہو کہ کائنات اپنی اصل کے لحاظ سے نہ ہدایت کرنیوالی ہے نہ گمراہ کرنیوالی، تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو یا گمراہ ہو جاتے ہو، تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی ہے اور مضل بھی، جس طرح خدا کے اس کام (مادّہ) کے دونوں نتیجے ہیں، اسی طرح خدا کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے

ہیں۔ اسی قرآن یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان خدا کو پہچانتا ہے اور تسلی پاتا ہے اور دوسرے کے دل میں شبہے پیدا ہوتے ہیں، خطرات آتے ہیں اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پیغام ایک ہے البتہ دل دو ہیں اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ دو خالق نہیں ہیں، نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی کی دلیل نہیں، یہ تمام نیرنگیاں ایک ہی قدرت کے تماشے ہیں، خیر و شر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں ادھر ہی سے ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ (البقرہ ۳)

"اپنے اس کلام کے ذریعہ وہ (خدا) بہتوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا (یا گمراہ کرتا ہے) اور بہتوں کو راہِ راست دکھاتا ہے انہی کو راہِ راست نہیں دکھاتا جو خدا کے عہد کو باندھکر توڑتے ہیں جو اسکو کاٹتے ہیں جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور جو زمین میں فساد کرتے ہیں یہی ہیں گھاٹا اٹھانے والے۔"

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ ۔ ۳۶)

"خدا کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ ہدایت اور ضلالت دونوں کی علۃ العلل وہی ہے، مگر دونوں کے لئے ابتدائی محرکات تمہارے ہی ہوتے ہیں، تم نے فسق کیا، قطعِ رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا تو اسکے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے اور فسق و فجور بعد کو نہیں آیا۔

خدا نے انسان کو پیدا کیا اور بتا دیا کہ یہ راستہ منزلِ مقصود کو جاتا ہے اور یہ عمیق غار میں اُن کو لے جا کے گرا دیتا ہے۔ فرمایا

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (دھر)

"ہم نے راستہ اس کو دکھا دیا، (تو) وہ (پھر) یا شکر گزار بن جاتا ہے یا کافر بن جاتا ہے۔"

تمام دنیا کی اچھی بُری چیزوں کا وہی ایک خالق ہے۔ ارشاد ہُوا۔

اَللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ (مومن)

"اللہ تمہارا رب ہر چیز کا وہی خالق ہے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔"

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

"اور خدا نے تمکو پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو اس کو پیدا کیا۔"

لیکن :

اَعطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۔ (طٰہٰ ۔ ۳) "اُس نے ہر چیز کو اس کی صورت بخشی، پھر ہدایت دے دی"

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بنا لیتے ہو۔ اگر غلط راہ پر چلے تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ پر چلے تو ہدایت ہوئی۔ صحیح مصرف میں استعمال کیا تو خیر اور غلط استعمال کیا تو شر۔ ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رو سے نہ ہدایت ہے نہ ضلالت، خیر ہے نہ شر، اسلئے خیر و شر کو دو چیزیں سمجھ کر دو خدا کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے جو ان دونوں کا خالق ہے۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۔ (فاطر ع ۔ ۱) "کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے وہی تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کدھر الٹے جاتے ہو"

خدا نے اپنا پیغام تمہارے سپرد کر دیا، اب تم اس کو مانو یا نہ مانو۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (فاطر ع ۔ ۴) "پھر ہم نے کتاب کا وارث اُن کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا تو اُن میں کوئی اپنی جان کا بُرا کرتا ہے اور کوئی ان میں سے بیچ کی چال چلتا ہے اور کوئی خدا کے حکم سے خوبیاں لیکر آگے بڑھ جاتا ہے"

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ (شوریٰ ع ۔ ۴) "اور جو پڑے تم پر مصیبت، سو اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ معاف کرتا ہے بہت سی باتوں کو"

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۔ (شمس) "ہر نفس میں خدا نے اسکی گنہگاری اور نیکوکاری الہام کر دی ہے تو جس نے اس (نفس) کو پاک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے اس کو مٹی میں ملایا وہ ناکام ہوا"

۴۔ خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے۔ لیکن قدیم مذاہب میں ایک عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصد جسم کو تکلیف دینا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ یہ

خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہری جسم کو تکلیف دی جائے گی، اُسی قدر روحانی ترقی ہو گی اور دل کی اندرونی صفائی اور پاکی بڑھے گی۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے جوگ اور عیسائیوں میں رہبانیت پیدا ہوئی اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا اور اُن کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا، کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا تھا کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کمبل اوڑھے رہتا تھا۔ کوئی ہر موسم میں یہاں تک کہ شدید جاڑوں میں بھی ننگا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لئے غار میں بیٹھ جاتا تھا۔ کوئی ساری عمر دھوپ میں کھڑا رہتا تھا۔ کوئی عمر بھر کے لئے کسی چٹان پر بیٹھ جاتا تھا، کوئی عہد کر لیتا تھا کہ پوری زندگی صرف درختوں کی پتیاں کھا کر گزار دیگا۔ کوئی عمر بھر تجرد میں گزار دیتا تھا، اور قطع نسل کو عبادت سمجھتا تھا، کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا رکھ کر سکھا ڈالتا تھا، کوئی حبس دم یعنی سانس روکنے کو عبادت جانتا تھا، کوئی درخت میں اُلٹا لٹک جاتا تھا۔ یہ تھا اسلام سے پہلے خدا پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل۔ پیغام محمدیؐ نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں، ہمارے خُدا کو جسم کی شکل نہیں، بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے۔ طاقت سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (بقرہ۔ ۴۰) "خدا تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتا۔"

اسلام نے اس رہبانیت کو بدعت قرار دیا اور کہا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ۔ (حدید۔ ۴) "اور رہبانیت جس کو انہوں (عیسائیوں) نے دین میں داخل کر دیا، ہم نے اُن پر اس کو فرض نہیں کیا تھا۔"

اور آنحضرتؐ نے اعلان کیا۔

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ (ابوداؤد) "اسلام میں رہبانیت نہیں۔"

جن لوگوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی جائز لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اُن سے قرآن نے یہ سوال کیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ۔ (اعراف ۔ ۴) ”کہو کس نے اللہ کی آرائش جس کو اُس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا، حرام کی؟“

یہاں تک کہ خود پیغمبرِ اسلام علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے اُوپر شہد حرام کر لیا، تو تنبیہ ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۔ (تحریم) ”اے پیغمبر! خدا نے جس کو تیرے لئے حلال کیا ہے اُس کو حرام کیوں کرتا ہے؟“

پیغامِ محمدی نے سب سے پہلی دفعہ دُنیا کو بتایا کہ عبادت کا مقصود فقط ایک ہے اور وہ یہ کہ بندہ خدا کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۔ (مومن ۔ ۶) ”جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلّت کے ساتھ داخل ہوں گے۔“

یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ ہو، یہی چیز عبادات کے مختلف ارکان کو بجا لاکر انسان ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا سے سرکش نہیں، بلکہ اس کا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے۔

اسلام میں عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے؟ فقط حصولِ تقوےٰ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (بقرہ ع ۔ ۳) ”اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔“

نماز سے فائدہ یہ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔ (عنکبوت ع ۔ ۳) ”بیقیناً نماز کھلی بدکاریوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔“

روزوں سے یہ مقصود ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (بقرہ ع ۲۳) ۔ ”اے مسلمانو! تم پر اس طرح روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔“

حج سے مطلب یہ ہے :

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ - (حج - ۴)

"تاکہ اپنے نفع کی جگہوں پر لوگ پہنچیں اور تاکہ چند معلوم دنوں میں جو جانوروں کی روزی اللہ نے اُن کو دی ہے، اس پر اللہ کو یاد کریں"۔

زکوٰۃ سے مقصود اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے۔

اَلَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى - (اللیل)

"جو دیتا ہے اپنا مال دل کی صفائی کرنے کو اور نہ اس لئے کہ کسی کا کوئی احسان اسکے ذمہ ہے جسکا بدلہ چکانا ہے، صرف خدائے برتر کی طلب رضا مقصود ہے"۔

نکاح کرنا اور نسل کو ترقی دینا اسلام کے پیغمبر کی سنت ہے۔ آپؐ نے فرمایا :

النکاح من سنتی ومن رغب عن سنتی فلیس منی ۔

"نکاح میرا طریقہ ہے اور جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں"۔

قرآن مجید نے اولاد و ازدواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا اور مسلمانوں کو اس خواہش کا متمنی قرار دیا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ - (الفرقان ع ۶)

"اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خداوندا ہم کو ہماری بیبیوں اور بچوں کے ذریعہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر"۔

منجملہ دوسری عبادتوں کے ایک عبادت قربانی بھی تھی۔ لوگ اپنے آپ کو دیوتاؤں پر قربان کر دیتے، اپنی اولاد کو اپنی مِلک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا دیتے تھے، دیوتاؤں کو خون کے چھینٹے دیئے جاتے تھے، جو جانور قربانی کئے جاتے تھے اُن کا گوشت جلایا جاتا تھا کہ اُس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش آتا تھا۔ یہودی اسی لئے قربانی کے گوشت کو جلاتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہؐ نے آکر بتایا کہ قربانی سے مقصود کیا ہے؟ آپؐ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی قطعاً موقوف کر دی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر نہ تو اُن کے خون کے چھینٹے دینے کا حکم دیا اور نہ گوشت کے

جلانے لگا۔ اُس نے قربانی کی مصلحت یہ بتائی :۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا
فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ
كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ
كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ
بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

(حج - ۵)

"اور حج کی قربانیوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نام کی نشانی بنائی کہ تمہارے لئے ان قربانیوں میں بھلائی ہے تو اُن پر اللہ کا نام پڑھو قطار باندھ کر اور جب وہ ذبح ہو چکیں تو اُن میں سے کچھ تم خود کھاؤ اور باقی صابر اور بیقرار غریبوں کو کھلا دو، اسی طرح ہم نے یہ جانور تمہارے بس میں دیدیئے ہیں تاکہ تم ہمارا شکر ادا کرو، ہرگز اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارے دل کا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے اسی طرح ان کو تمہارے بس میں دیدیا تاکہ اس بات پہ کہ خدا نے تم کو راہ سوجھائی، اس کی بڑائی کرو اور نیکی والوں کو (اے پیغمبر) بشارت سُنا دے۔"

اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی جان پر آپ قابو ہے اور وہ اس کی ملکیت ہے، اسی طرح اس کی اولاد کی جان بھی اس کی ملکیت ہے، بیوی کی جان اُس کے شوہر کی ملکیت ہے۔ اس ایک غلط اصول نے خودکشی، دُخترکشی، اولاد کو بھینٹ چڑھا دینا یا اُن کو مار ڈالنا اور شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کا ستی ہو جانا، سینکڑوں انسانیت کُش رسوم پیدا کر دیئے تھے۔ پیغامِ محمدیؐ نے ان سب کی بیخ کُنی کر دی۔ اُس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں صرف خدا کی ملکیت ہیں۔ اور اُن کا قتل صرف خدا کے حق کی بنا پر ہو سکتا ہے، اسی لئے غیر خدا کے نام پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا ناجائز ہے۔ خودکشی کرنے والوں پر اپنی جنت بھی اُس نے حرام کر دی۔ اسلام کے سوا تمام دُنیا میں اور اس وقت بھی یورپ اور امریکہ جیسے مہذب مُلکوں میں مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر خودکشی سمجھی جاتی ہے، قانون اس کو روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا، کیونکہ ہر شخص اپنی جان کو اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے اور اس کو دنیا کی مصیبتوں

سے چھٹکارے کا ذریعہ یقین کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس موت کے بعد یا تو کوئی زندگی نہیں اور اگر ہے بھی تو خدا ہم سے ہمارے اس فعل کی کچھ باز پرس نہ کرے گا۔ مگر اسلام نے بتایا کہ ہر جان ہماری نہیں، بلکہ خدا کی ملکیت ہے اور اس لئے خودکشی کے ذریعے مصیبتوں سے چھٹکارے کا خیال غلط ہے۔ کیونکہ اس طرح سے اپنی جان دینے پر دوسری دنیا میں مصیبتوں سے بھی زیادہ پُرمصیبت زندگی شروع ہو جائے گی۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا۔ (نساء ع۔۵)

"اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق پر اور اپنے آپ کو نہ مارو، بیشک خدا تم پر مہربان ہے (اور اسلئے مہربانی کے سبب سے تم کو یہ حکم دیتا ہے) اور جو خدا کے حکم سے آگے بڑھکر اور اپنے آپ پر ظلم کر کے ایسا کریگا تو ہم اس کو دوزخ کی آگ میں بٹھائیں گے۔"

دُختر کُشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی جاری تھی، دُنیا کے اور ملکوں میں جاری تھی۔ عرب میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ پیغامِ محمدیؐ کے ایک فقرہ نے اس رسمِ باطل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔ (تکویر)

"اور جس دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔"

اپنی اولاد کو قتل کرنا عرب میں جُرم نہ تھا، آج بھی اس تہذیب کے عالم میں کثرت سے بچے اس لئے قتل کر دیئے جاتے ہیں کہ اُن کی پرورش کا پاس سامان نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملک کی پیداوار کم ہے، اس لئے مردم شماری کو بڑھنے سے روکنا چاہیئے۔ عرب میں اور دوسری قوموں کے قانون میں بچّے کے پیٹ سے گرا دینے یا ایسے بچّہ کے قتل پر کوئی پرسش نہ تھی۔ یُونان میں نومولود بچّوں کا معائنہ کیا جاتا تھا اور اُن میں سے کمزور بچّوں کے جینے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے اور آج بھی ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول) کے نام سے یہی کچھ کیا جا رہا ہے۔

اسلام نے یہ اصول بتایا کہ روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ کوئی چلنے والا نہیں، لیکن اُس کی روزی خدا پر ہے۔ اسلئے اُس نے کہا۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل)	"اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو، ہم روزی دیتے ہیں اُن کو اور تم کو، بے شک ان کا مارنا بڑی غلطی ہے"۔

دُنیا کی عظیم الشان غلطیوں میں سے جو اب بھی دُنیا کے اُس حصہ میں قائم ہیں جہاں محمد صلعم کا پیغام قبول نہیں کیا گیا۔ ایک یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب و نسب، مال و دولت، رنگ رُوپ، صُورت و شکل کی دیواریں قائم کر دی ہیں۔ ہندوستان نے ابتداء سے آج تک اپنے سوا سب کو ملیچھ اور ناپاک قرار دیا اور خُود اپنے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی شُودروں کو مذہب کا بھی حق نہ تھا۔ قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اسی طرح قائم تھیں۔ رومنس نے اپنے کو آقائی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کر لیا۔ بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا اور سب کو جینٹل (چنڈال) قرار دیا اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف بیرونی مدارج قائم کر دیئے۔ خود یورپ کا اس تہذیب اور انسانی محبت و مساوات کے دعوےٰ کے باوجود کیا حال ہے؟

سپید آدمی تہذیب و تمدن کا ٹھیکہ دار اور اس بارِ گراں کا امین قرار دیا گیا ہے کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں ہیں۔ ایشیائی قومیں ان کے ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں۔ بعض مُلکوں میں اُن کے محلوں (کوارٹرز) میں رہ بھی نہیں سکتیں اور اُن کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں۔ امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے اور جنوبی و مشرقی افریقہ میں تو حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشیائیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں مل سکتی۔ حقوقِ دنیاوی سے گزر کر یہ تفرقے خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں، کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ، خُدا تعالےٰ کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک

ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ پیغامِ محمدیؐ نے ان تمام تفرقوں کو مٹادیا۔ اس کے نزدیک حسب ونسب، مال ودولت، شکل وصورت ان میں سے کوئی چیز امتیاز نہیں پیدا کر سکتی۔ وہ قریش جن کو اپنے حسب ونسب پر غرور وناز تھا۔ فتح مکہ کے دن کعبہ کے حرم میں کھڑے ہو کر ان کو آپؐ نے یہ بتایا:

یامعشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب (ابن ھشام)

"اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹادیا، تمام انسان آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں۔"

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اعلان کیا:

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء آدم وآدم من تراب۔ (مسند احمد)

"عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب کے سب آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے:

ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی، الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من تراب (ترمذی وابوداؤد)

"خدا نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹادیا، انسان اب یا متقی ایماندار ہے اور یا گنہگار بدبخت ہے، تمام انسان آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔"

وحی محمدیؐ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بتایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

(حجرات ع-۲)

"اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان صرف اس لئے بنا دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا (سباع - ۱۵)

"نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے پاس نزدیک کر دے لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اُس نے اچھا کام کیا اُن کو اپنے کام میں دُونا بدلہ ملے گا۔"

تمام مُسلمانوں کو بھائی بھائی کا رُتبہ دیا اور یہ پیغام ملا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ "تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں"۔ اور آپؐ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ المسلم اخو المسلم "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے"۔ اس برابری اور برادری نے کالے گورے، عجمی، عربی، ترکی، تاتاری، زنگی اور فرنگی کا فرق اُٹھا دیا اور خدا تعالےٰ نے اُن پر اپنا یہ احسان جتایا کہ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا "خدا تعالیٰ کے فضل نے تم سب کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے"۔ خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب ونسب کا کوئی فرق نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں، خدا تعالےٰ کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر۔ قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا، نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناطہ ہر ایک کا ہو سکتا ہے، علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں۔ یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے" النفس بالنفس، جان کے بدلے جان"

؎ تیرے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے سامنے پیغامِ محمدیؐ کے احسانات کو ایک ایک کر کے گنا دوں، مگر افسوس کہ بقدرِ حوصلہ فرصت نہیں اور اس کا بحرِ ناپیدا کنار کی تھاہ بھی نہیں۔ عورتوں کو جو حقوق پیغامِ محمدیؐ نے دیئے ہیں اور غلاموں کو جس حد تک اُس نے عزت دی ہے جی چاہتا تھا کہ اس کو بھی تمہارے سامنے پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ باایں ہمہ دعوائے بلندی ہنوز اسلام کے اوجِ خیال سے نیچے ہے، مگر افسوس کہ وقت نہیں۔ دُنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی وہ دین اور دُنیا کا فرق ہے دین کا کام الگ کیا گیا اور دُنیا کا کام الگ۔ خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا اور قیصر کا حکم

الگ، دُنیا کے حصول کا الگ راستہ بتایا گیا اور دین کے حصول کا الگ۔ نونہالانِ اسلام! یہ سب سے بڑی غلطی تھی جو دُنیا میں پھیلی تھی۔ اس غلطی کا پردہ پیغامِ محمدیؐ کی نورانگن شعاعوں نے چاک کر دیا۔ اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دُنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے۔ یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیاداری ہی دینداری ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر، گوشہ نشینی و عزلت گیری کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دینداری ہے اور دوست و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی مدد آپ، فکرِ معاش اور پرورشِ اولاد دنیاداری ہے۔ اسلام نے اس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ خدا کے مطابق ان حقوق اور فرائض کو بخوبی ادا کرنا بھی دینداری ہی ہے۔

اسلام میں نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے "ایمان" اور "عملِ صالح" ایمان پانچ چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے۔ خدا پر، نیکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، پیغمبروں تک خدا کا پیغام لانے والے فرشتوں پر، اُن کی کتابوں پر جن میں خُدا کے یہ پیغام ہیں۔ اس پیغامِ الٰہی کے مطابق عمل کرنے والوں یا عمل نہ کرنے والوں کی جزا و سزا پر۔ انہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا "ایمان" ہے۔ اسی ایمان پر عمل کی بُنیاد قائم ہے۔ کیونکہ اس ایمان و یقین کے بغیر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز عمل ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے کام صالح اور نیک ہوں، عمل کے جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے، تین حصے ہیں۔ ایک "عبادات"، یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ خدا کی بڑائی اور بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ دوم معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین، کاروبار اور نظمِ ملت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت بربادی اور ہلاکت سے بچی رہتی ہے اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے اور سوم "اخلاق" یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گو قانونی حیثیت سے فرض نہیں ہیں، مگر رُوح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ ان ہی چار چیزوں، یعنی ایمان، عبادات، معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور

متفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے، اسلام جد و جہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں حیات ہے اس کا فرمان یہ ہے :-

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (بخم-۳) "انسان کے لئے وہی ہے جو وہ کوشش کرے۔"

اور

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مدثر-۱) "ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گرو ہے۔"

اسلام سرتاپا جہاد اور مجاہدہ ہے لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدان میں نکل کر۔ محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی تمہارے سامنے ہے، خلفائے راشدینؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ عام صحابہؓ کی زندگیاں تمہارے سامنے ہیں، وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے اور وہی تمہارا ذریعۂ فلاح ہے اور وہی ترقی سعادت کی راہ ہے۔ محمد صلعم کا پیغام بودھ کے پیغام کی طرح ترکِ خواہش نہیں ہے بلکہ تصحیح خواہش ہے۔ محمدؐ کا پیغام حضرت مسیحؑ کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کی تحقیر اور ممانعت نہیں ہے بلکہ اُن کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی اور اُس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعیین ہے۔

دوستو! "ایمان اور اس کے مطابق "عملِ صالح" یہی اسلام ہے، اسلام عمل ہے ترکِ عمل نہیں، ادائے واجبات ہے عدمِ واجبات نہیں، ادائے فرض ہے، ترکِ فرض نہیں، اس عمل اور ان واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر اور اُن کے یاران باصفا کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی جن کا نقشہ یہ ہے :-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ (فتح-۴)

"محمدؐ خدا کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری، آپس میں رحمدل ہیں، انکو دیکھو گے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں، وہ خدا کی مہربانی اور خوشنودی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"

کافرانِ حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں برادرانہ الفت کے جذبات بھی ہیں، خدا کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں اور پھر دنیا میں خدا کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں۔ خدا کی مہربانی (فضل) قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے

ہیں، اس روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور - ۵) "وہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی"

تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہیں اور خدا کی یاد بھی قائم ہے، وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ ؏

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

مُسلمانوں اور رُومیوں میں جنگ ہے، صحابہؓ فوج کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار اُن مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس بھیجتا ہے۔ وہ یہاں آکر اور مُسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں تو سرتاپا اثر میں ڈوبے ہوتے ہیں، وہ جاکر رُومی سپہ سالار کو بتلاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں هم بالليل رهبان و بالنهار فرسان "وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار" یہی اسلام کی اصلی زندگی ہے۔

حضرات! آج سلسلۂ تقریر کا آخری دن تھا، میرا خیال تھا کہ میں آٹھ تقریروں میں سیرتِ محمدیؐ اور پیغامِ محمدیؐ کے متعلق سب کچھ کہہ سکوں گا۔ مگر آٹھ تقریروں کے بعد بھی موضوع تفصیل کا تشنہ ہے۔ سب کچھ کہا مگر کچھ بھی نہ کہا ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں دراوّل وصفِ تو ماندہ ایم

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مسلمان بیوی	ادریس انصاری	5/=
مسلمان خاوند	" "	5/=
آئینہ نماز	عاشق الٰہی	5/=
ہمارے حضورؐ	عابد نظامی	4/=
آفتاب عالم	صادق سردھنوی	35/=
شہید اعظم	ابوالکلام آزاد	5/=
غوث الاعظم	احتشام الحسن	3/=
ہادیٔ عالم	محمد ولی رازی	30/=
بہشتی زیور	اشرف علی تھانوی	37/=
بخاری شریف	محمد بن اسمٰعیل	35/=
اسلام کے بنیادی ارکان	زیڈ سلطانہ	3/=
آمنہ کا لال	راشد الخیری	5/=
سیدہ کا لال	" "	8/=
عربی اردو بول چال	مخدوم صابر	6/=
اعمالِ قرآنی		10/=
مسنون مقبول دعائیں (ہندی)		5/=
مسنون مقبول دعائیں (اردو)		4/=
جدید عربی انگلش ٹیچر	سید علی	6/50
انگلش اردو عربی بول چال کلاں	مخدوم صابر	15/=
سمارٹ اردو انگلش ٹیچر	مبین الدین	15/=
سمارٹ اردو لیٹر رائٹر	مبین الدین	6/=
اردو خط و کتابت	"	6/=
پھلوں سے علاج	محمد عبداللہ	12/=
سبزیوں سے علاج	بلیغ الدین	12/=
شاہین کشیدہ کاری	شاہین آصف	18/=
پروین کشیدہ کاری	پروین عارف	18/=
نزہت کشیدہ کاری	نزہت النور	18/=
دلہن کشیدہ کاری	زینب النور	18/=
حسین کشیدہ کاری	زینب النور	18/=
زیور خاتون کشیدہ کاری، دسترخوان		25/=
کامیاب درزی ماسٹر	زینب النور	10/=
رضیہ کا شاہی دسترخوان	رضیہ حسین	10/=
مغل شاہی دسترخوان	شاہین آصف	15/=
مخزن المرکبات (علم دوا سازی)		45/=
زنانہ امراض اور ان کا علاج		20/=

یہ اور ہر قسم کی کتب ملنے کا پتہ :-

عماد پبلی کیشنز 872 گلی مدرسے والی، چوڑیوالان، دہلی 110006